بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَقُلۡ جَآءَ الۡحَـقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ‌ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝

شمارہ نمبر ۵

اکتوبر ۲۰۲۲ء

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

خادم اہلسنت طاہر گل دیوبندی

ناشر

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد | یا اللہ مدد | عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

راہِ ہدایت

پشاور

بیاد

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمانِ مسلک دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

متکلم اسلام حضرت مولانا مفتی سجاد الحجابی دامت برکاتہم

مناظر اسلام مولانا محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی دامت برکاتہم

مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی مدظلہ العالی

محقق اہلسنت حضرت مولانا مفتی رب نواز حنفی حفظہ اللہ

مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی نجیب اللہ عمر حفظہ اللہ

مجلسِ مشاورت

حضرت مفتی محمد وقاص رفیع صاحب

حضرت مولانا مفتی محمد طلحہ صاحب

حضرت مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب

حضرت مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب

حضرت مولانا محمد محسن طارق صاحب

مدیر اعلیٰ

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

نائب مدیر

طاہر گل دیوبندی صاحب

عقیدہ ختمِ نبوت زندہ باد　　عقیدہ حیات النبیؐ زندہ باد

شاد باد و شاد ذی اے سر زمین دیوبند　　ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

فہرست مضامین

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

لغوی اور شرعی معنی میں فرق اور الحاد کا سدّباب

آج کل ایک نئی ہوا چلی ہے کہ اہل بدعت و الحاد اکثر لغوی معنی کی آڑ میں شرعی اصطلاحات کو پامال کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اصطلاحی معنی کے اندر لغوی معنی ملحوظ ہوتا ہے لیکن لغوی معنی لے کر ایک شرعی اصطلاح کو پامال کرنا اہل الحاد کا کام ہے، اور کسی فتنہ سے کم نہیں۔

سوشل میڈیا پر ایک بیان وائرل ہوا ہے جس میں پاکستان تحریک انصاف کے سٹیج پر سابقہ وزیر اعظم عمران خان اور ان کے ساتھی موجود ہے اور ان کی موجودگی میں ایک لڑکی نے یہ بیان دیا کہ

"عمران خان اس صدی کا پیغمبر بن چکا ہے"

بجائے اس کے کہ اس کی تردید آجاتی۔ ایک پروفیسر قسم کے بندہ نے اس لڑکی کی تائید میں ایک بیان پشتو زبان میں ریکارڈ کیا۔ اور اس لفظ پیغمبر کے لغوی معنی کی آڑ میں ایک اصطلاح کو پامال کیا۔ اس کا استدلال کچھ اس طرح کا ہے کہ پیامبر فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے پیغام رساں، ایلچی اور قاصد۔ لہذا اس عورت نے جو یہ کہا کہ عمران خان اس صدی کا پیامبر بن چکا ہے درست کہا ہے۔ عقل سے عاری اس بندہ سے کوئی پوچھے کہ اس عورت کا مطلب شرعی اصطلاح نہیں تھا بلکہ لغوی معنی مقصود تھا تو پھر کیا صدی میں صرف ایک پیغام رساں ہوتا ہے۔ دوسری بات کہ اگر لغوی معنی مراد ہے تو پھر عمران خان کی تخصیص کیوں، کیونکہ لغوی معنی پیغمبر کا تو ہر پارٹی کے لیڈر میں موجود ہے تو کیا یہ بات درست ہے کہ ہر پارٹی والا یہی کہے کہ میرا لیڈر پیغمبر ہے؟ جبکہ ہمارے عرف اور شریعت میں پیغمبر ایک خاص اصطلاح ہے اور اس لفظ کے ذکر ہوتے ہی وہی اصطلاحی معنی ذہن میں آتا ہے نہ کہ لغوی معنی۔ اگر آپ کی طرح کوئی شخص استدلال کریں کہ میرا پارٹی کا لیڈر میرا رب ہے کیونکہ رب کا لغوی معنی ہے تربیت کرنے والا۔ اور میرا لیڈر ہماری تربیت کر رہا ہے لہٰذا وہ ہمارا رب ہے تو کیا خیال ہے یہ دین اور اس کی خاص اصطلاحات ایک کھلونا نہیں بنے گا۔

لغوی اور اصطلاحی معنی کے درمیان فرق پر رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"میں ایک جگہ بیٹھا تھا ایک صاحب آئے اور مجھے کہنے لگا کہ جب اللہ تعالیٰ سب صحابہ کو راشد کہتا ہے اولئك هم

الراشدون۔ تو ان میں جتنے بھی خلیفہ بنے وہ سارے خلفاء راشدین ہوں گے نا؟ میں نے کہا کہ ان کو تو تم بھی نہیں مانتے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ بھی تو صحابی ہے۔ ان کو تم کیوں نہیں مانتے (خلیفہ راشد) مجھے کہنے لگا کہ حضرت قائد اہل سنت قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم (اس وقت حضرت زندہ تھے اب تو مرحوم ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ) نے قرآن کا انکار کیا ہے جب قرآن سارے صحابہ کو راشد کہتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ خلفاء راشدین ہیں۔ وہ خلفاء راشدین میں نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ وہاں اصطلاح کا ذکر ہے۔ کہتا ہے کہ اصطلاح قرآن سے بڑی ہوتی ہے؟ میں نے کہا کہ دیکھیے کہ نبی کسے کہتے ہیں؟ کہتے ہے کہ جو اللہ کی خبر دے۔ میں نے کہا کہ اگر تو دو آیتیں سنادے تو نبی اللہ کہلائے گا یا نہیں؟ کہتا ہے نہیں۔ نبی تو ایک اصطلاح ہے۔ اسی طرح میں نے کہا "اولئك عليهم صلوة من ربهم و رحمة" کہ یہ (رحمت) تو سب مومنوں کے لیے ہے کہ ان پر صلوۃ اور رحمت ہے۔ تو تیرا نام اشتہار میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا رحمۃ اللہ علیہ لکھے؟ کہتا ہے کہ مومن تو ہوں لیکن یہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رحمۃ اللہ علیہ پڑھنا ایک خاص اصطلاح کے تحت ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت (قاضی صاحب رحمہ اللہ) بھی راشدین ایک خاص اصطلاح کے تحت لکھتے ہیں۔ تو بات یہی ہے کہ اصطلاح اور چیز ہوتی ہے اور معنی لفظ اور چیز ہوتا ہے۔

(خطبات صفدر جلد دوم 343 / 342 بتغیر یسیر)

ناصبی بھی اسی لغوی اور اصطلاحی معنی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور اعتراض کرتے ہیں کہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ حضرت معاویہؓ کو خلیفہ راشد نہیں کہتا۔ جب کہ یہ بات خود غلط ہے۔ خلیفہ راشد کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک خلیفہ راشد قرآنی اصطلاح ہے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت معاویہؓ، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد لکھا ہے لیکن جہاں حضرت نے حضرت معاویہؓ یا امام حسنؓ سے خلیفہ راشد کا انتفاء کیا ہے تو وہ اصطلاحی معنی میں ہے۔

لغوی معنی اور شرعی معنی کے فرق پر مزید چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

1) **الطہارۃ:** طہارۃ کا لغوی معنی ہے النظافة۔ یعنی صفائی ستھرائی۔ یہ معنی عام ہے ہر قسم کی صفائی ستھرائی کو شامل ہے لیکن اصطلاح شریعت میں اس کا معنی خاص ہے "نظافة المحل عن النجاسة الحقيقية او الحكمية۔ نجاست حقیقیہ یعنی حسی نجاست اور نجاست حکمیہ یعنی بے وضو یا جنبی ہونا سے محل نجاست کو پاک وصاف کرنا۔

2)**وضو:** کا لفظ لغت میں الوضاءۃ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی بھی نظافت ہے لیکن شرعی اصطلاح میں اس کا معنی خاص ہے نظافۃ الاعضاء الاربعۃ لازالۃ النجاسۃ الحکمیۃ اولرفع الدرجۃ۔

یعنی چار اعضاء (بازو، پاوں، چہرہ اور سر) کا پاک وصاف کرنا نجاست حکمیہ کو زائل کرنے کے لیے یا رفع درجات کے لیے۔

3) **الاذان:** کا لغوی معنی ہے الاعلام اطلاع دینا، آگاہ کرنا اور شرعی اصطلاح میں معنی ہے الاعلام لوقت الصلوۃ بالفاظ مخصوصۃ۔ نماز کا وقت جتلانا مخصوص الفاظ کے ساتھ۔

4) **الصلوۃ:** کا لغوی معنی ہے دعا، رحمت اور شرعی اصطلاح میں صلوۃ کا معنی ہے ھی اقوال وافعال مخصوصۃ فی اوقات مخصوصۃ۔ نماز خاص اقوال وافعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں ادا کئے جاتے ہیں، چونکہ شرعی نماز سبب رحمت اور قبولیت دعا کا ذریعہ ہے اس لیے اس کو صلوۃ کہا جاتا ہے۔

5) **قبر:** قبر کا لغوی معنی ہے زمین میں میت کے دفن کرنے کی جگہ اور ایک شرعی معنی ہے کل موضع فیہ مقر الجسم فھو قبرہ۔

فائدہ: جس طرح لغوی معنی اور اصطلاحی معنی کے درمیان فرق کرنے اور نہ کرنے پر کئی مسائل اور عقائد بنا ہے اسی طرح ایک لفظ ایک فن میں ہو تو معنی اور ہوتا ہے اور یہی لفظ دوسرے فن میں ہو تو معنی اور ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

1) **کلمہ:** لفظ کلمہ فن تجوید میں ہو تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بھی نہیں کہتے بلکہ کلمہ طیبہ کو کلمہ کہا جاتا ہے لیکن یہی لفظ جب فن نحو میں ہو تو گالی کو بھی کہتے ہیں۔

2) **موضوع:** اسی طرح لفظ موضوع فن منطق میں ہو تو معنی اور ہوتا ہے کہ وہ لفظ کو محکوم علیہ ہو۔ اور یہی لفظ جب فن حدیث میں ہو تو معنی اور ہوتا ہے۔

جب یہ بات بھی مد نظر ہو گئی تو کئی مسائل اور عبارات آسانی کے ساتھ حل ہوتے ہیں ایک دو عبارات کو ملاحظہ کریں۔

1) **غیر، عین:** کلیات امدادیہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر کرتے وقت سالک یہ خیال کریں کہ دل سے غیر اللہ کو نکال رہا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو غیر اللہ ہے جب سالک اور مومن اپنے قلب سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نکالے کیونکہ غیر اللہ ہے تو مومن کہاں رہا۔ لہذا آپ کے دیوبندی مشائخ پہلے اپنے مریدوں کو ہی کافر بناتے ہیں۔ اب یہ الجھن اس لیے پیدا ہوا کہ لفظ غیر اور عین جب فن تصوف میں ہو تو اس کا معنی الگ ہے

اور جب علم کلام میں ہو تو معنی الگ ہے۔ متکلمین عین اس کو کہتے ہیں جو انفکاک کو قبول نہ کریں اور غیر اس کو کہتے ہے جو انفکاک کو قبول کرتے ہیں۔ اور صوفیاء عین ہر اس چیز کو کہتے ہے جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کریں اور جو چیز اللہ سے ہٹائے وہ غیر اللہ ہے تو نبی کریمؐ تو اللہ تک رسائی کرواتا ہے وہ عین ہے اور خواہشات اور معاصی اللہ تعالیٰ سے دور کرتے ہیں تو وہ غیر ہے۔ چونکہ کلیات امدادیہ تصوف کی کتاب ہے اس لیے یہاں صوفیاء کا معنی لیں گے عین اور غیر کا۔ نہ کہ متکلمین کا عین اور غیر۔ صوفیاء کا اصطلاح عین اور غیر والا (خطبات حکیم الامت 15/59,60) میں ملاحظہ کریں۔

اسی عین اور غیر کے متعلق حضرت تھانوی رح نے روافض کے ایک استدلال کا بھی عجیب جواب دیا ہے ملاحظہ کریں کہ

"ایک فرقہ ضالہ نے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ایک حدیث سے ثابت کی ہے جس میں حضرت کی نسبت **لحمك لحمی و دمك دمی** (مسند احمد 4:227) تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے آیا ہے اور استدلال اس طرح کیا ہے کہ حضرت علیؓ عین الرسول ہے اس لیے ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلافت کا استحقاق نہیں تھا۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں دوسرے میں کہتا ہوں کہ اگر اس سے عینیت حقیقیہ مراد ہے تو اسے تو حضرت علیؓ کی خلافت ہی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ خلیفہ تو غیر ہی ہونا چاہیے کوئی شخص خود اپنا خلیفہ نہیں ہوا کرتا۔ بس بہت سے بہت تم یہ کہہ سکتے ہو کہ حضرت ابو بکرؓ جیسے حضورؐ کے خلیفہ تھے حضرت علیؓ بھی خلیفہ تھے تو اس میں ہم تم سے نزاع نہ کریں گے۔ اور ایک جواب دوسرے علماء نے دیا ہے کہ حضرت علیؓ عین رسول ہیں تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کیساتھ ان کا نکاح کیسے ہوا۔ یہ تو حضرات حسنینؓ کے حق میں معاذ اللہ سخت گالی ہو گی۔ اور اگر عینیت حقیقہ مراد نہیں (یعنی عین جو متکلمین کی اصطلاح ہے) اور یقیناً مراد نہیں بلکہ صرف عینیت عرفیہ مراد ہے (جو صوفیاء کا اصطلاح ہے) تو پھر یہ معنی حضرت علیؓ کے ساتھ خاص نہیں اس معنی میں تو ہر صحابیؓ عین رسول تھا۔ کیونکہ حضورؐ سے سب کو ہی تعلق تھا کسی کو بھی اجنبیت نہ تھی۔ (خطبات حکیم الامت 15/59)

2) **تسخیر:** یہ لفظ فن عملیات میں ہو تو معنی اس کا اور ہے اور فن تفسیر میں ہو معنی اور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے "وسخر لکم مافی السموات والارض۔ اب فن عملیات میں تسخیر کا معنی ہے تابع کرنا، مطیع اور منقاد کرنا۔ اب سوال کرتے ہیں کہ جی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے مسخر ہے حالانکہ بارش ہوا اور کئی دیگر چیزیں ہمارے تابع نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ بارش ہو جائے لیکن بارش نہیں

ہوتا، وعلی ھذا القیاس دیگر چیزیں۔ لہذا یہ آیت غلط ہے معاذ اللہ، حالانکہ آیت غلط نہیں اس نے لفظ تسخیر قرآن سے لیا اور اس کا معنی فن عملیات والا کیا۔ اگر عربی محاورہ یا فن تفسیر میں تسخیر کا جو معنی ہے وہ کرتا تو کبھی قرآن پر اشکال وارد نہ کرتا۔ فن تفسیر اور عربی میں تسخیر کا معنی ہے کام میں لگا دینا۔ اب وسخر لکم مافی السموات والارض میں تسخیر کا معنی یہ ہوا کہ جو چیزیں زمین و آسمان میں ہیں ہم نے آپ کے کام میں لگا دیے ہیں۔ اب اشکال ختم۔ بہر حال آج کے دور میں گمراہی اور الحاد کا ایک وجہ یہ ہے کہ لغوی معنی کی آڑ میں شرعی اصطلاحات پامال کرتے ہیں یا ایک فن کا لفظ لے کر دوسرے فن والوں پر اعتراضات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں الحاد اور ہر گمراہی سے بچائے رکھے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مفتی نجیب اللہ عمر صاحب حفظہ اللہ

تقویۃ الایمان کی لفظ مکر والی عبارت پر اعتراض کا جواب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہمیشہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ اہل توحید نے جب جب توحید کا پرچار کیا تو اھل باطل اور شرک کے بیماروں نے ان کی زندگی اجیرن کردی۔

ہندستان میں بھی احقاق حق کرنے والے علماء کرام کو اسی صورتحال سے دوچار کیا گیا۔ حق گوئی کی پاداش میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ساتھ کیا کچھ روا نہیں رکھا گیا۔ وہی مشن جو ہندوستان کی سرزمین پر امام ربانی مجدد الف ثانی قاضی ثناء اللہ پانی پتی شیخ عبد الحق محدث دہلوی مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ اور اہلسنت کے دیگر اکابر نے تھامے رکھا اسی فکر کو مجاہد تحریک آزادی بطل حریت امام الموحدین شہید بالاکوٹ خانوادہ محدث دہلوی کے چشم وچراغ امام الطائفہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آگے بڑھایا۔ اہل بدعت نے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔

کچھ عاقبت نااندیشوں نے غلط معلومات کے ذریعہ مولانا فضل حق خیر آبادی کو شاہ صاحب کے خلاف استعمال کیا۔ شاہ صاحب نے زیادہ الجھاؤ پیدا کرنے کے بجائے اپنے مشن پر نگاہیں مرکوز رکھیں انگریز کی ٹاؤٹی کا کام سرانجام دینے والے سکھوں سے بالاکوٹ کی سرزمین پر نبرد آزما ہوئے۔ اہل پنجاب کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانے کی تحریک شروع کی۔ اور بالآخر پھر اسی جنگ میں اپنے پیر و مرشد اور قائد کے ساتھ بالاکوٹ میں 1831ء میں شہادت پائی۔

شاہ صاحب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک بار پھر انگریز کے خلاف تحریک شروع ہوئی لیکن مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ لیکن انگریز بھانپ گیا کہ اسکے خلاف مسلمان کبھی بھی ایک خوفناک اور تباہ کن جنگ کا آغاز کرسکتے ہیں۔

1857ء کی انگریز مخالف جنگ میں وہی لوگ شامل تھے جو نظریاتی طور پر مجدد الف ثانی مسند الہند شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کے حقیقی امین تھے۔ جگہ جگہ انگریز مخالف گوریلا اور دوبدو جنگوں نے ایک بات تو طے کردی تھی کہ انگریز کو ان لوگوں سے ہر وقت خطرہ برقرار تھا۔ انگریز نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کردیا۔ گرفتاریاں، جلاوطنی اور دردناک سزاؤں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تحریک آزادی کے دیگر راہنماؤں کی گرفتاریوں کے

بعد غلط فہمی کی بنا پر مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

یہ موقع تھا کہ جب امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت تھی۔ انگریز کے خلاف ہر اول دستے کے طور پر جنگ لڑنے والوں کی حمایت اور تعاون کی ضرورت تھی۔ جنگ آزادی کی قیادت کرنے والوں اور انکے سربراہوں اور اکابرین تحریک پر اعتماد کی ضرورت تھی۔ تب عین اس موقع پر 1961ء میں شاہ صاحب کیخلاف انگریز کے ایک ملازم نام نہاد مولوی فضل رسول بدایونی نے کچھ خفیہ اشاروں پر "سیف الجبار" نامی کتاب لکھ کر ایک بار پھر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بعض صاف ستھری عبارات پر اعتراضات کر کے امت مسلمہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ اور پھر اسی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فاضل بریلوی نے بھی "الکوکبۃ الشھابیہ" اور "سل السیوف الھندیہ" لکھ کر فرنگی مشن کو آگے بڑھایا۔

ان تینوں کتب میں کیا کیا اعتراضات اٹھائے گئے اور کس کس طرح خیانتوں کے ذریعے شاہ صاحب پر تکفیری گولہ باری کی گئی آپ کو ہماری یہ تحریر پڑھ کر اندازہ ہو جائے گا۔

بقول شاعر

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی ہے

بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے ہیں

گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی نے شاہ صاحب رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے میں سیف الجبار کی "تقویۃ الایمان" کی عبارات اور اس پر اعتراضات کو نقل کیا ہے اور بعد والے اہل بدعت نے بغیر تحقیق کئے مکھی پر مکھی مارتے ہوئے انہی دونوں کی اندھی تقلید کی ہے۔

اگرچہ "تقویۃ الایمان" پر بعض اعتراضات ایسے بھی ہیں جو سیف الجبار کے مصنف نے نقل کئے ہیں وہ فاضل بریلوی نے چھوڑ دیئے ہیں اور کچھ اسکے برعکس ہیں۔ اور کچھ اعتراضات ایسے بھی ہیں جو بعد کے اھل بدعت نے نقل کئے ہیں لیکن انہیں اول الذکر دو حضرات نے ہاتھ نہیں لگایا۔ سلسلہ عبارات اکابر کے حوالے سے ہمارا یہ مضمون حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں کے دفاع پر مشتمل ہے اس میں ہم آپ کو بتا رہے تھے کہ اہل بدعت کی جانب سے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر کیا اعتراضات کئے جاتے ہیں اور اس کے جوابات کیا ہیں اور کس طرح ہونے چاہئے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تقویۃ الایمان میں ایک عبارت ہے

"سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیے" (تقویۃ الایمان صفحہ 46)

اس عبارت کو بریلویوں کے اجمل العلماء مفتی محمد اجمل قادری نے اپنی کتاب رد سیف یمانی میں صفحہ نمبر 24 پر نقل کیا ہے اور اپنی دوسری کتاب رد شہاب ثاقب صفحہ پر 103، 104 پر شاہ اسماعیل شہید کی اسی عبارت کو نقل کیا ہے۔

اور اس کو کس زمرے میں شامل کیا ہے؟

سب سے پہلے تو میں آپ حضرات کے سامنے وہ بات بیان کر دوں کہ "مکر" کا لفظ قرآن میں یا بزرگوں کی عبارات میں جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔

اسکے ترجمہ پر اہل بدعت کی جانب سے اعتراض ہے کیا؟

بریلوی مفتی محمد اجمل قادری نے یہ عبارت نقل کر کے اس عبارت پر جو حکم لگایا ہے وہ انتہائی حیران کن ہے۔

مذکورہ بریلوی مفتی صاحب نے رد سیف یمانی میں اس عبارت کو نقل کرنے سے پہلے عنوان باندھا ہے۔

"وہابیہ کی بیس گستاخیاں"

اس عنوان کے تحت "مکر" والی عبارت کو پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے۔

گویا اس کے نزدیک مکر کی نسبت اللہ کی طرف کر لینے سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور توہین ہوتی ہے۔

مصنف مذکور نے اپنی اسی کتاب "رد سیف یمانی" میں جو دوسرا عنوان لگایا ہے وہ یہ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ مکار ہے"

اور پھر اس پر حوالہ جو نقل کیا وہ یہی تقویۃ الایمان کا حوالہ ہے کہ

"سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیے"

اور اسی مذکورہ بریلوی مصنف نے رد شہاب ثاقب میں اس عبارت کو نقل کر کے لکھا کہ

یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے مکر جیسا عیب ثابت کیا کوئی جاھل بھی ایسی گستاخی کی جراءت نہ کرے گا۔

(رد شہاب ثاقب.103)

گویا مؤلف مذکور کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف "مکر" کی نسبت کرنا

فتویٰ نمبر (1) اللہ تعالیٰ کے لئے عیب ثابت کرنا ہے

فتویٰ نمبر (2) ایسا شخص جاہل ہے

فتویٰ نمبر (3) اور یہ نسبت کرنا گستاخی ہے۔

اب آیئے میں "مکر کی نسبت" کے حوالے سے بریلوی حضرات کے مزید فتوے دکھاؤں کہ جن میں وہ لوگ اس نسبت کو اللہ رب العزت کی طرف کرنے کو "الحاد" "بے دینی" "کفر" اور گستاخی سے تعبیر کرتے ہیں. میں آپ حضرات کی خدمت میں وہ حوالہ جات پیش کرتا ہوں۔

تین فتاوی تو بریلوی مولوی اجمل قادری سے پیش کر دیئے۔

فتویٰ نمبر (4)

ملک بشیر احمد اعوان لکھتے ہیں کہ

سوچیۓ کہ خدا کی ذات کیلیۓ مکر اور داؤ جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوئے ادبی کا متحمل ہے۔

(انوار رضا کا احمد رضا نمبر۔ صفحہ۔ 87)

گویا موصوف کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کرنا بے ادبی ہے۔

فتویٰ نمبر (5)

پیر افضل قادری بریلوی لکھتا ہے کہ

اردو زبان میں مکر کا لفظ ہمیشہ ناپسندیدہ خفیہ تدبیر اور سازش کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ لہذا اردو زبان میں لفظ مکر کو اللہ تعالیٰ کیلیۓ استعمال کرنا سخت بے ادبی و گستاخی ہو گا۔ (ماہنامہ اہلسنت جنوری 2010 صفحہ 11)

پیر افضل قادری کے بقول مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا سخت بے ادبی اور گستاخی ہے۔

فتویٰ نمبر (6)

مولوی عبد الستار خان نیازی لکھتے ہیں کہ

مکر اور داؤ جیسے الفاظ کا استعمال صریح گستاخی اور دریدہ دہنی کا مظاہرہ ہے۔(انوار کنز الایمان صفحہ 816)

مؤلف مذکور نے مکر کی نسبت کو صریح گستاخی اور دریدہ دہنی قرار دیا ہے۔

فتویٰ نمبر (7)

مولوی حشمت علی قادری صاحب جو احمد رضا خان کے خاص خلیفہ تھے ان کے بھائی مولوی محبوب علی خان لکھتے ہیں کہ

جو اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرے جو اسکے لائق نہیں جیسے مکر (کچھ آگے لکھتا ہے کہ) وہ بندہ کافر ہو گیا۔(نجوم شہابیہ صفحہ نمبر 29)

حق تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کرنے والے پر رضوی صاحب نے کافر ہونے کا حکم لگا دیا۔

فتویٰ نمبر (8)

بریلویوں مسلک میں رئیس التحریر کہلانے والے مولوی ارشد القادری صاحب کا فتویٰ موجود ہے کہ

خدا کی طرف چال مکر اور حیلے جیسے مکروہ الفاظ کی نسبت خدا کی طرف کر کے تنقیص شان کا ارتکاب کیا ہے۔

(انوار رضا 445)

فتویٰ نمبر (9)

مفتی سید شاہد رضا بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ

تراجم میں لفظ مکر کا ترجمہ چال حیلہ اور مکر جیسے الفاظ سے کیا گیا ہے جس سے شان باری میں تنقیص کا اظہار ہوتا ہے۔(انوار کنز الایمان صفحہ 510)

موصوف کے فتوے کے مطابق "مکر کی نسبت" خدا تعالیٰ کی طرف کرنا تنقیص شان باری تعالیٰ ہے۔

(10)مولوی رضاء المصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں کہ

اردو ترجمہ میں جو لفظ استعمال ہوئے وہ شان الوہیت کے کسی طرح لائق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف، مکر، فریب ،بدسگالی کی نسبت اسکی شان میں حرف گیری کے مترادف ہے۔ یہ بنیادی غلطی صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ اور رسول کے افعال مقدسہ کو اپنے افعال پر قیاس کیا ہے۔ (کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ شامل در مقدمہ نور العرفان۔ صفحہ۔22)

یعنی موصوف کے نزدیک جن حضرات نے مکر کا ترجمہ "مکر" کے لفظ سے کیا ہے وہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔

اور یاد رہے موصوف نے اپنی اسی کتاب میں ویمکرون ویمکر اللہ۔ الآیہ کے مختلف تراجم نقل کئے ہیں

جن مذکورہ مؤلف کے بقول "لفظ مکر" کا ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "بدسگالی"

اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فریب"

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے "مکر" سے کیا ہے۔

گویا موصوف کے نزدیک یہ تمام حضرات اس طرح ترجمہ لکھنے کی وجہ سے توہین الوہیت کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔

جبکہ احمد رضا فاضل بریلوی صاحب وفات سے دو سال قبل تک شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ قرآن پڑھنے کی ترغیب دیتے رہے۔

اور لکھتے ہیں کہ

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے۔

(فتاوی رضویہ۔ جلد 26 صفحہ 457)

گویا اعظمی صاحب کے فتوے کا اول نشانہ خود انکے اعلی حضرت قرار پائیں گے۔

بندہ نے آپکے سامنے یہ چند بریلوی حوالہ جات پیش کئے ہیں جن سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مکر کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرنے پر اہل بریلی کی جانب کرنے پر کتنے سنگین فتاویٰ جات موجود ہیں۔ اتنے کثیر فتاوی کے ہوتے ہوئے یہ بات بالکل واضح

ہو جاتی ہے کہ یہ نسبت کرنے سے کوئی شخص کسی بھی صورت میں بریلوی فتویٰ تکفیر سے ہر گز ہر گز محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ان اہل بدعت علماء کو کیا معلوم تھا کہ علماء اہلسنت دیوبند کے ترجمہ قرآن اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تقویۃ الایمان کو سامنے رکھ کر لگائے جانے فتووں

کی زد میں کئی دیگر فوت شدہ مستند بین الفریقین علماء بھی آجائیں گے بلکہ خود بریلویت کے بھی کئی علماء اس فتوے کا نشانہ بن جائیں گے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ مکر جیسے الفاظ کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کن کن حضرات نے کی ہے اور بریلویوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمت اللہ علیہ کے بغض اور حسد اور عناد میں بہہ کر جو فتوے لگائے ہیں ان فتووں کی زد میں کون کون لوگ آتے ہیں؟

ہم آپ حضرات کے سامنے انکی عبارتیں پیش کرتے ہیں

(1)حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

مکر خدا آنست کہ بندہ را در معصیت گذار (تکمیل الایمان صفحہ 188)

اس عبارت میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرکے اہل بدعت کے مذکورہ فتاویٰ کی زد میں آتے ہیں۔ العیاذ باللہ

(2)شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وخائف نبودن امن است از مکر الہی (تحفہ اثنا عشری۔49)۔

غلو در ستائش خود وامن از مکر الہی (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ 383)

(3) شیخ سعدی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔ (الاعراف۔7/99)

پس ایمن نشود از مکر خدائے مگر گروہ زیاں کاران (ترجمہ شیخ سعدی۔ صفحہ 245)

یاد رہے کہ شیخ سعدی صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ قرآن احمد رضا بریلوی صاحب کا پسندیدہ ترجمہ ہے۔

(بحوالہ فتاوی رضویہ۔ جلد 23..۔ صفحہ۔382 وانوار کنزالایمان۔ صفحہ۔55_65_755)

(4) مولائے روم مولانا (جلال الدین) رومی فرماتے ہیں کہ

مکر اللہ بود تا اہل تمیز (53 دفتر پنجم)

در خیال اور مکر کردگار (دفتر ششم۔149)

مکر حق را ببین و مکر خود بہل

اے ز مکرش مکر مکار ان بجل (60 دفتر پنجم)

زانکہ بودند ایمن از مکر خدا (80 دفتر ششم)

مکر حق سرچشمہ ایں مکرہاست۔ (340۔ دفتر ششم)

می شود موجود از مکر خدا (326۔ دفتر ششم)

ان حوالوں میں کئی جگہ مولانا روم رحمہ اللہ نے اللہ رب العزت کی طرف مکر کی نسبت کی ہے۔

بندہ نے وہ حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کئے جن میں بزرگوں نے مکر کی نسبت کو اللہ رب العزت کی طرف کیا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن بزرگوں پر اہلسنت والجماعت علماء دیوبند اور بریلوی علماء کا اتفاق ہے اور دونوں تسلیم کرتے ہیں اگر بریلویوں کا یہ فتویٰ گستاخی اور فتوی کفر کو صحیح تسلیم کیا جائے اور بریلوی بھی اپنے ان فتوؤں کی صحت پر بضد ہوں تو ان کی روسے نہ صرف یہ کہ شاہ اسماعیل شہید رحمت اللہ علیہ کو نعوذ باللہ گستاخ اور کافر قرار دیا جائے گا بلکہ یہ بزرگ جو مسلم بین الطرفین ہیں ان بزرگوں پر بھی تکفیر اور گستاخی کا حکم لگے گا جو کہ انصاف پسند بریلوی بھی اس پر تیار نہیں ہوسکتے اور ہم تو ہرگز تیار نہیں ہوسکتے کہ ان بزرگوں کو کوئی کافر قرار دے لیکن بریلویوں نے جانے انجانے میں ہماری تکفیر کرتے ہوئے ان بزرگوں کی بھی تکفیر کر دی۔

اب آیئے بریلویوں کو ان کے حوالہ جات سے بھی کچھ پیش کرتے ہیں

(1) مولوی عبد المالک کھوڑوی لکھتے ہیں کہ

کفار نے مکر کیا اور خدا نے بھی مکر کیا۔۔۔۔۔۔۔۔خدا تعالیٰ کا مکر یہ ھے کہ خدا تعالیٰ معصیت کو قائم رکھے اور کفار کو پتہ نہ لگے انھوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا در آنحالیکہ کہ وہ ہمارے مکر کو سمجھ نہ سکے۔

ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لایشعرون

انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا در آنحالیکہ وہ ہمارے مکر کو نہ سمجھ سکے۔

(شرح کبریت احمر صفحہ 135)

یہاں پر بھی اللہ رب العزت کی طرف مولانا عبد المالک نے مکر کی نسبت کی ہے۔

(2) اسی طرح سید حفیظ البرکات شاہ بریلوی لکھتے ہیں کہ

بعض نے کہا ہے کہ مکر خداوندی کا معنی بندے کو ڈھیل دینے اور دنیاوی ساز و سامان پر خوب قدرت دینے کے ہیں۔ (اُردو تراجم کا تقابلی جائزہ)

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کی ہے۔

(3) مولوی عبد الرزاق بھترالوی بریلوی بھی مکر کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اللہ کے مکر سے مراد تدبیر ہے۔ (تسکین الجنان صفحہ نمبر 165)

(4) کپتان واحد بخش سیال لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کے مکر سے کوئی اپنے آپ کو مطمئن نھیں پاتا سوائے جاہلوں کے۔ (مکتوبات قدوسیہ صفحہ نمبر 665)

(5) غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کے مکر سے مراد (تبیان القرآن جلد دوم صفحہ نمبر 180)

(6۔7) نمبر حوالے

تاکہ وہ میزان اسکو "مکر الٰہی سے محفوظ رکھے۔

یہ ایک مکر الٰہی تھا۔

الٰہی مکر ہی غالب رہتا ہے۔(عقیدہ ختم النبوۃ۔ جلد 4 صفحہ 205۔254)(سیف چشتیائی۔ صفحہ 47۔96)

(8)نمبر حوالہ

کیونکہ بعض اوقات بطور "مکر الٰہی بھی ایسا کر دیا جاتا ہے۔

(9)نمبر حوالہ

بعض نے کہا کہ "مکر خداوندی" کا معنی ہے بندے کو ڈھیل دینا(انوار کنز الایمان۔ صفہ 529)

(10)نمبر حوالہ

کیونکہ بعض اوقات بطور "مکر الٰہی" بھی ایسا کر دیا جاتا ہے۔(موازنہ علم و کرامت صفحہ 15)

(11)نمبر حوالہ

اگرچہ اللہ تعالی پر مکر کا اطلاق ناجائز ہے۔ لیکن جب اس سے حقیقی معنی مراد نہ ہو تو جائز ہے بلکہ مجازی معنی پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مستعمل ہوا ہے۔

کماقال۔ ومکروا ومکر اللہ۔ اور "مکر الٰہی" کا اطلاق باعتبار مراتب جدا جدا ہے۔

عام لوگوں کے لیے مکر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو نعمت و دولت دی جائے اور وہ اس سے گناہوں میں مشغول رہیں اور سالک کے حق میں "مکر الٰہی" یہ ہے کہ وہ صوفی بن کر شرعی یا آداب الٰہی کو نگاہ میں رکھیں اور ان کے حق میں مکر یہ کہ شاید حقیقی اس کے مرتبہ کو تجلیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہے کہ "مکر الٰہی" اللہ تعالی کا ہر وہ فعل جس کا ظاہر کچھ مفہوم ہو لیکن اسکا باطن چیزے دیگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اب شعر کا معنی یہ ہوا کہ میں اس "مکر الٰہی" سے کیوں کر نالاں نہ ہوں۔(صدائے نوی شرح مثنوی۔ صفحہ 258)

(12)دعوت اسلامی کے درجنوں علماء کی کاوش سے چھپنے والی کتاب میں لکھا ہے کہ

بسا اوقات اللہ عزوجل کو "مکر" کیساتھ متصف کرنا درست بھی ہوتا ہے۔(علامہ ابن حجر مکی کی کتاب الزواجر

عن اعتراف الکبائر کا اردو ترجمہ بنام۔ جہنم میں لیجانے والے اعمال۔ جلد اول صفحہ۔ 296)

(13) مولوی فیض احمد اویسی بریلوی لکھتے ہیں

ہاں اللہ تعالیٰ کے لئے اس (لفظ مکر) کا اطلاق بمعنی ستر ہے۔

(جہنم سے بچانے والے اعمال۔ جلد اول۔ صفحہ۔ 408)

(14) مولوی محفوظ الحق بریلوی علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواھر میں لکھتے ہیں کہ

اس (اللہ) نے نسیان ءمکر، خداع، کید وغیرہ سے اپنے اوصاف ذکر فرمائے۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے حق میں صفات کمال ہیں۔ پس وہ ان کے ساتھ موصوف ہے جیسے اس کی شان جلالت کے لائق ہے۔

(الیواقیت والجواھر۔ صفحہ 248)

(14) مولوی محفوظ الحق بریلوی علامہ شعرانی کی کتاب الیواقیت والجواھر میں لکھتے ہیں کہ

اس (اللہ) نے نسیان ءمکر، خداع، کید وغیرہ سے اپنے اوصاف ذکر فرمائے۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے حق میں صفات کمال ہیں۔ پس وہ ان کے ساتھ موصوف ہے جیسے اس کی شان جلالت کے لائق ہے۔

(الیواقیت والجواھر۔ صفحہ 248)

(15) مفتی احمد یار خان نعیمی بریلوی لکھتے ہیں کہ

اور رب تعالیٰ کے مکر سے بے خوف نہ ہوؤ۔ (تفسیر نعیمی 472. / 3)

(16) حضرت غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کتاب میں ہے کہ

ومکرا من اللہ وامتحانا

اور مکر وامتحان اللہ (کی طرف) سے۔ (فتوح الغیب۔ مع اردو ترجمہ کلام الطیب۔ 28 مولانا حکیم سید سکندر شاہ)

(17) پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں

مسلمانو، غور سے سوچو یہ ایک مکر الٰہی تھا۔۔۔۔۔۔۔الٰہی مکر غالب رہتا ہے۔(مہر منیر۔ صفحہ 248)

(18)نمبر حوالہ

اور اللہ تعالیٰ کے مکر (تدبیر) ڈرتے لرزتے رہیں (مکتوبات معصومیہ۔ مکتوب 159 صفحہ 370)

(19)مولوی احمد رضا بریلوی صاحب سے بھی مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ثابت ہے۔ وہ لکھتے ہیں

مکر حق تھا بڑا محب رسول (حدائق بخشش۔ 3/41)

اب اگر دیکھا جائے تو بریلویوں کے وہ فتاویٰ جو بندہ نے پچھلے نمبر پر آپ کے سامنے پیش کئے ہیں کہ یہ گستاخی ہے

کفر ہے الحاد ہے بے دینی ہے اللہ تعالیٰ کی توہین ہے تنقیص شان باری تعالیٰ ہے یہ جتنے فتاویٰ بندہ نے آپ کے سامنے پیش کیے تھے۔ مذکورہ بالا فتاویٰ جس طریقے سے اہل بدعت کی جانب سے تراجم قرآن کی وجہ سے علماء اہلسنت اور دوسرے مترجمین اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ پر تھوپے جاتے ہیں اسی طرح خاک بدنش یہ فتاوی مسلم بین الفریقین ہستیوں مثلاً

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے بزرگوں پر لاگو ہونگے۔

اور اگر اہل بدعت ان فتاوی کو ان بزرگوں پر چسپاں کرنا تسلیم نہیں کرتے اور غلط کہیں گے تو ایسے ہی یہاں بھی غلط متصور ہونگے۔

اور اگر یہ فتاویٰ بریلویوں کے درست ہیں مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے سے اللہ تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے کفر ہے گستاخی ہوتی ہے تو یہاں بریلوی علماء کے نام آپ حضرات کے سامنے پڑھے ہیں مولانا عبد المالک- حفیظ البرکات- مولوی عبد الرزاق بھتر الوی- کپتان واحد بخش سیال- غلام رسول سعیدی- احمد رضا خان اور مفتی احمد یار خان اور دیگر بریلویوں سے بندہ نے حوالہ جات پیش کئے ہیں پھر مکر کی نسبت وہ سارے کے سارے اللہ کی طرف کر کے اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

مولوی ادریس ڈاھری بریلوی اپنی سندھی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

مکر کا لفظ اردو اور سندھی زبان میں بھی استعمال ہوا ہے مگر یہ اصل میں عربی کا لفظ ہے اور اپنی اصل زبان میں اسکا معنی ہے تدبیر کرنا اور کسی چھپی ہوئی سازش کو خفیہ طریقے سے ناکام بنانا خاص کر کہ جب اس کی نسبت اللہ کی پاک مقدس ذات کی طرف کی گئی ہو جو ہر عیب و نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے وہاں پر دھوکا دہی اور فریب کا معنی سوچنا سراسر نادانی اور نالائقی ہے۔(تفسیر احسن البیان۔ جلد 2 صفحہ۔140)

گزشتہ سطور میں ہم نے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں ان میں سے کتاب "جہنم میں لیجانے والے اعمال" کا حوالہ اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنا بہت آسان ہو جاتی ہے کہ تراجم قرآن میں جہاں جہاں مکر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اسکا ایسا کوئی معنی پیش نظر نہیں کہ جسے اللہ کی شایان شان نہ سمجھا جاتا ہو۔

اردو کی لغات کو بھی دیکھا جائے تو ان میں بھی "مکر" کے دیگر معانی کی طرح "حیلہ" معنی بھی موجود ہے اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ فقہاء اور محدثین نے "کتاب الحیل" کے نام سے اپنی کتب میں عنوانات باندھے ہیں اگر ہر حیلہ غلط اور ناجائز ہوتا تو یہ حضرات ایسا کبھی نہ کرتے۔

اور مکر کے لئے قرآن مجید میں لفظ ("ولایحیق المکر السئی" فاطر۔35) سے بھی یہ مسئلہ بآسانی سمجھ آسکتا ہے۔ جب مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے اردو زبان میں وہ والا معنی جسے بریلوی لوگوں کے سامنے پیش کر کے توہین بتانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ والا مفہوم یہاں پر ہر گز مراد نہیں ہوتا بلکہ یہاں اسکا وہ مخصوص معنی مراد ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہوتا ہے۔

آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں خود بریلویوں نے بھی لکھا ہے کہ

مکر کی نسبت جب اللہ کی طرف ھو تو معنی مکر کی سزا دینے اور بدلہ دینے کے ہوتے ہیں

(انوار کنز الایمان صفحہ 515)

تو بات ہی ختم ہو گئی۔

اب خوامخواہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور علماء اہلسنت کے تراجم کی وجہ سے ان پر اعتراض کرنا اور ان پر کفر کے الزام دھرنا اور ان کو گستاخ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے علماء دیوبند پر غلط تبراء کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

الزامات عائد کرنے کیلئے یہ جو اہل بدعت اتنی تگ و دو کرتے ہیں اور پھر نتیجتاً اس سعی لاحاصل سے انکے اپنے ہی بریلوی علماء اس فتاویٰ تکفیر کی زد میں آجاتے ہیں۔ تو اگر پہلے دن ہی یہی معنی لے لیا جاتا جو مولوی ادریس ڈاھری بریلوی نے بھی لکھا ہے اور جو انوار کنز الایمان (جو کئی بریلوی علماء کی مصدقہ کتاب) نے بھی لکھا ہے۔ اور اسے ہی تسلیم کر لیا جاتا تو میرے خیال میں اتنی مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمت اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ بھی نہ لگتا اور یہ اکابر بریلویہ بھی اپنے فتوے کفر سے بچ جاتے۔

مفتی رب نواز، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط:۲

فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع (جلد دوم)

اعتراض:۱۳۲...﴿فهل من مدكر﴾ کا معنی ”کوئی ہے حفظ کرنے والا“ کرنا قرآن کی تحریف ہے۔

قرآن کریم کی آیت ﴿ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر﴾ کا ترجمہ فضائل اعمال میں یوں درج ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا، کیا ہے کوئی حفظ کرنے والا؟

جناب محمد طارق خان (غیر مقلد) نے ”کیا ہے کوئی حفظ کرنے والا“ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا:

> ”معنی ”حفظ“ کرنا غلط ہے اور تحریف فی القرآن ہے۔ اس کے بعد الفاظ آئے ﴿فهل من مدكر﴾ اور مدکر کا اصل متذکر ہے جس کے معنی ہیں نصیحت حاصل کرنے والا۔ اس لحاظ سے اس پوری آیت میں لفظ ”حفظ“ کا کوئی تذکرہ ہے ہی نہیں۔ پس اس آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو دیگر مفسرین نے کیا کہ ”ہم نے اس قرآن کو نصیحت کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔“ (تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۵۰)

طارق خان کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ذِکر کا **معنی** ”حفظ“ اور ﴿فهل من مدكر﴾ کا معنیٰ ”کیا ہے کوئی حفظ کرنے والا“ کرنا قرآن کی تحریف ہے۔

الجواب:

اعتراض:۱۳۱ کے جواب میں متعدد مفسرین اور خود غیر مقلدین کے حوالہ جات منقول ہیں کہ ذِکر کا معنی حفظ بھی ہے۔ اگلی بات میں عرض کرتا ہوں کہ جب ذِکر کا معنی ”حفظ کرنا“ کریں گے تو ﴿فهل من مدكر﴾ کا معنی ”ہے کوئی حفظ کرنے والا“ ہو گا۔ اس لئے مفسرین نے ذِکر کا معنی حفظ کرنے کی صورت میں مدکر کا معنیٰ ”حفظ کرنے والا“ کیا ہے۔ ثبوت ملاحظہ ہوں۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

’’ ایْ سھَّلْنَاہُ لِلْحِفْظِ واعنّا عَلَیْہِ منْ ارادحِفْظَه فھلْ مِنْ طالِبٍ لِحفْظه فَیُعَانُ علَیْہِ ۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷، ۱۳۴)

ترجمہ: ہم نے اس کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا اور جو شخص اس کو حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت کریں گے۔ پس کیا کوئی اس کو حفظ کرنے کا طالب ہے کہ اس کی اعانت کی جائے؟

’’فَھَلْ مِنْ طَالِبٍ لِحفظِہٖ، کیا کوئی اس کو حفظ کرنے کا طالب ہے‘‘ پہ نگاہ رہے۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر نصیحت اور حفظ دونوں طرح کی گئی ہے۔ دوسرے **معنی** ’’حفظ‘‘ والی تفسیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

’’ اَلْمَعْنٰی سَھَّلْنَا الْقرْآنَ لِلْحِفْظِ ...فَھَلْ مِنْ طَالِبٍ لِحِفْظِہٖ لِیُعَانَ عَلَیْہِ‘‘ (تفسیر روحانی المعانی :۱۱۸/۲۷، سورۃ القمر:۱۷ طبع رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: آیت کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے... پس کوئی ہے اس کے حفظ کا طلب گار تاکہ اس کی اعانت کی جائے۔

’’فَھَلْ مِنْ طَالِبٍ لِحِفْظِہٖ، پس کوئی ہے اس کے حفظ کا طلب گار‘‘ جملہ مد نظر رہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

’’ وَقَوْلُہُ (فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ) اَیْ ھَلْ مَنْ یَّحْفَظُہُ وَیَتْلُوْہُ۔ **(تفسیر کبیر للرازی :۳۰۰،۱۰ طبع مکتبہ علوم اسلامیہ اردو بازار لاہور)**

ترجمہ: ارشاد باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ہے کوئی جو اسے حفظ کرے اور اس کی تلاوت کرے۔

جملہ ’’ھَلْ مَنْ یَّحْفَظُہُ وَیَتْلُوْہُ، ہے کوئی جو اسے حفظ کرے اور اس کی تلاوت کرے‘‘ پہ توجہ رہے۔

تفسیر کشاف میں زیر بحث آیت کی ایک تفسیر اس طرح مذکور ہے:

’’وَلَقَدْ سَھَّلْنَاہُ لِلْحِفْظِ وَاَعَنَّا عَلَیْہِ مَنْ اَرَادَ حِفْظَہٗ فَھَلْ مِنْ طَالِبٍ لِحفْظٍ لِیُعَانَ عَلَیْہِ ‘‘

(کشاف: ۴، ۴۳۵)

ترجمہ: آیت کا معنٰی یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے اور جو اِسے حفظ کرنا چاہے اس کی اعانت ہم نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ پس کوئی ہے اس کے حفظ کا طلب گار تاکہ اس کی اعانت کی جائے۔

مذکورہ عبارت میں سے ''فَهَلْ مِنْ طَالِبٍ لِحِفْظِهٖ، پس کوئی ہے اس کے حفظ کا طلب گار''جملہ پھر سے دیکھئے۔

شیخ ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ) أَيْ سَهَّلْنَاهُ لِلذِّكْرِ أَيْ لِلْحِفْظِ وَالْقِرَاءَةِ (فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ) أَيْ مِنْ ذَاكِرٍ يَذْكُرُهُ وَيَقْرَأُهُ وَالْمَعْنٰى هُوَ الْحَثُّ عَلٰى قِرَاءَتِهٖ وَتَعَلُّمِهٖ۔ (زاد المسیر:۸/ ۹۴)

ترجمہ: اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو ذکر کے لیے یعنی حفظ و قراءت کے لیے۔ پس کیا ہے کوئی جو اس کو یاد کرے اور پڑھے اور مقصود قرآن کریم کی قراءت اور اس کے سیکھنے کی ترغیب دلانا ہے۔

اس جگہ ''کیا ہے کوئی جو اِس کو یاد کرے'' پیش نظر رہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا حوالہ نقل کر کے لکھا ہے:

''امام ابن جوزی نے صرف اسی مفہوم کا اعتبار کیا ہے جو حضرت شیخ [مولانا محمد زکریا (ناقل)] نور اللہ مرقدہ نے ''فضائل قرآن'' میں ذکر کیا فرمایا ہے۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸/ ۲۱۰ تخریج شدہ ایڈیشن)

تنبیہ: بندہ نے مذکورہ بالا عربی تفاسیر کی عبارتیں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کے حل'' آٹھویں جلد سے نقل کی ہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے:

''(وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ) سَهَّلْنَاهُ لِلْحِفْظِ أَوْ هَيَّأْنَاهُ لِلتَّذَكُّرِ (فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ) مُتَّعِظٍ بِهٖ وَحَافِظٍ لَهٗ''

(جلالین:۲/ ۴۴۲سورہ قمر، آیت: ۱۷)

ترجمہ: ﴿اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو ذِکر کے لئے﴾ ہم نے اس کو آسان کر دیا ہے حفظ کے لیے، یا اسے مہیا کر رکھا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ ﴿فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اور اسے حفظ کرنے والا"

یہاں "حافِظ لہٗ، ہے کوئی اسے حفظ کرنے والا" پہ غور رہے۔

جب ماضی کے مستند مفسرین ﴿فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ کا معنی "کیا ہے کوئی حفظ کرنے والا" کر رہے ہیں تو طارق خان کی طرف سے اسے تحریف کہنا نہ صرف غلط بلکہ سینہ زوری ہے۔

طارق خان کی عربی دانی

جلالین کی مذکورہ بالا عبارت طارق خان نے بھی نقل کی۔ اور اس کا ترجمہ یوں کیا:

"آسان کر دیا ہم نے اس کو یاد کرنے اور یاد دہانی کے لیے، اس کے ذریعہ سے نصیحت حاصل کرنے اور اس کی محافظت کرنے پر" (تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۴۹)

حَافِظ لَہٗ کا ترجمہ "اسے حفظ کرنے والا" ہے مگر طارق صاحب نے ایک تو اسم فاعل مُتَّعِظ اور حَافِظ کا ترجمہ مصدر والا کیا، پھر حَافِظٍ کا ترجمہ مُحَافَظَتْ کیا۔ حالاں کہ حَافظ مجرد کے باب میں سے ہے اور مُحَافَظَتْ باب مفاعلہ ہے۔ نیز یہ "مُحَافَظَتْ" عربی زبان کا لفظ ہے اس کی اردو میں وضاحت ہونی چاہیے۔ اور یقیناً طارق صاحب کو اس کی وضاحت ایسی کرنی ہو گی جس کے معنی میں حفظ کرنا شامل نہ ہو کیوں کہ یہ ترجمہ تو ان کے نزدیک تحریف ہے۔

مزید عرض ہے کہ طارق صاحب کو اصرار ہے کہ آیت: ﴿وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ میں "نصیحت حاصل کرنے والا" ترجمہ ہی درست ہے۔ مگر خود اس کی وضاحت "مُحَافَظَتْ" سے کر رہے ہیں سوال ہے کیا "مُحَافَظَتْ" کا معنی نصیحت حاصل کرنا ہے؟

طارق صاحب کی عربی دانی مزید ملاحظہ ہو۔ وہ جلالین کی عبارت نقل کرتے ہیں:

"**والاستفهام بمعنى الأمر اى احفظوه و اتعظوبه**" اس کا ترجمہ یوں کیا:

"یہاں پر استفہام حکم کے معنی میں ہے، کوئی بھی اس کو یاد کر سکتا ہے اور اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔"

(تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۴۹)

جب ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ میں استفہام اَمر کے معنی میں ہے تو اگلی عبارت میں احفظوہ و اتعظوبہ بھی اَمر کے صیغے ہی ہونے چاہئیں اور ہیں بھی اَمر کے۔ لہٰذا ترجمہ یوں ہونا چاہیے:

"اس (قرآن) کو حفظ کرو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔"

طارق خان نے ایک تو ترجمہ اپنا من پسند کیا۔ دوسری بات بھی قابل غور ہے کہ جلالین والے کے بقول ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ میں قرآن حفظ کرنے کا حکم ہے مگر طارق صاحب پوچھ رہے ہیں کہ اس میں "ہے کوئی حفظ کرنے والا" جملہ کہاں ہے؟ چنانچہ طارق صاحب نے جلالین کی عبارت کا من پسند ترجمہ کر کے سوال کیا:

"اب پوری اس عبارت میں کہاں ہے ایسی کوئی بات جس کا ترجمہ یہ ہو سکے کہ "ہم نے اس قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کر دیا پس ہے کوئی حفظ کرنے والا" (تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۴۹)

جلالین سے آپ نے خود "احفظوہ" نقل کیا ہے جس کا ترجمہ "اسے حفظ کرو" ہے۔ اگر آپ کو اس کا معنی نہ آئے یا تجاہل عارفانہ سے کام لیں تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟

﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ کا معنی غیر مقلدین سے

ہم نے اعتراض: ۱۳۱ کے جواب میں قاضی شوکانی کی تفسیر فتح القدیر: ۱۲۳/۵ سے عبارت نقل کر دی ہے۔ انہوں نے ذِکر کا معنیٰ حفظ کیا ہے اور پھر کہا کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے اور اس کی بہت زیادہ تلاوت کرنے کی ترغیب ہے۔

ڈاکٹر یحییٰ بن عبد الرزاق غوثانی نے سورۃ قمر، آیت: ۱۷ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ درج کر کے لکھا:

"امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کے لیے آسان بنا دیا ہے اور جو اس کو حفظ کرنا چاہتا ہے، ہم اس کی اعانت کریں گے، سو کیا کوئی حفظ قرآن کا طالب ہے تاکہ اس سلسلے میں اس کی اعانت کی جائے۔" (حفظ قرآن کے ۲۵ آسان طریقے صفحہ ۳۷، ترجمہ حافظ فیض اللہ ناصر، پسند فرمودہ

استاذ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی، کلیۃ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیۃ)

غیر مقلدین کی مذکورہ کتاب کا نام "حفظ قرآن کے ۲۵ آسان طریقے" ہے۔ انہوں نے آیت میں ذِکرُ سے مراد حفظ اور مدّکر سے حفظ کرنے والا معنٰی مراد لیا ہے۔ دوسرا ترجمہ "نصیحت... اور... نصیحت حاصل کرنے والا" سرے سے کیا ہی نہیں۔ طارق صاحب کے بقول "تحریف قرآن" کا ارتکاب کیا ہے!!!

ایک ضمنی اعتراض کا جواب

طارق صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ میں چوں کہ استفہام امر کے معنی میں ہے اور امر فرض کے لیے آتا ہے۔ اس لیے شیخ زکریا رحمہ اللہ کے ترجمہ کی رُو سے حفظ قرآن ہر کسی پر فرض ہونا چاہیے۔ (تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۵۰)

یہاں جواب میں چند باتیں عرض ہیں:

۱۔ مفسرین ذِکر کا معنی "حفظ" اور مُّدَّكِرٍ کا معنی "حفظ کرنے والا" کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر باحوالہ مذکور ہوا تو کیا ان پر بھی مذکورہ اعتراض کروگے کہ ان کے نزدیک حفظ قرآن ہر کسی پر فرض ہونا چاہیے۔

۲۔ غیر مقلدین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں حفظ کرنا شامل مانا ہے، شوکانی نے فتح القدیر میں حفظ کرنے والی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اور "حفظ قرآن کے ۲۵ آسان طریقے صفحہ ۳۷" میں تو صرف ایک ہی معنٰی "حفظ کرنے والا" کیا گیا ہے جیسا کہ باحوالہ مذکور ہوا۔ تو ذرا انہیں بھی فرمادیں کہ آپ کے اس ترجمہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر قرآن حفظ کرنا فرض بنتا ہے۔

۳۔ خود طارق خان نے جلالین کی عبارت نقل کی:

"والاستفہام بمعنی الامر ای **احفظوہ واتعظوبہ**" اس کا ترجمہ یوں کیا:

"یہاں پر استفہام حکم کے معنی میں ہے، کوئی بھی اس کو یاد کر سکتا ہے اور اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔"

(تبلیغی جماعت عقائد و افکار و نظریات اور مقاصد کے آئینے میں صفحہ ۴۹)

طارق خان کو اعتراف ہے کہ استفہام اَمر کے معنی میں ہے، یہ اظہار بھی کہ یہاں امر فرض کے معنی میں ہے اور انہیں یہ اصرار بھی کہ ذِکر کا معنی نصیحت ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا فرض ہے۔ جب کہ طارق صاحب نے جلالین کی عبارت کا ترجمہ "کوئی بھی اس سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے" کیا۔ "کر سکتا ہے" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں امر اِباحَت یا اِستِحْباب کے لیے ہے۔ جب کہ ان کے دعوے کے مطابق ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ نصیحت حاصل کرنا فرض ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ہر جگہ اَمر فرض کے لیے نہیں آتا۔ اَمر متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (اصطلاحات صفحہ ۱۱۸، الشیخ محمد عظیم حاصل پوری غیر مقلد... مکتبہ اسلامیہ)

اگر اَمر کو فرض کے لیے مان لیں تو فرض کفایہ مراد ہو گا کیوں کہ قرآن کا حفظ کرنا فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے لکھا:

"تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے"

(فضائل قرآن صفحہ ۱۱، فضائل اعمال ۲۱۱ فیضی کتب خانہ)

یہ بات غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہے چنانچہ ان کے "امام العصر" شیخ البانی لکھتے ہیں:

"قرآن کریم حفظ کرنا فرض کفایہ ہے کہ جب اس کو کچھ [لوگ (ناقل)] ادا کر دیں تو دوسروں سے اس کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔ ہر مسلمان کے لیے قرآن کریم حفظ کرنا واجب نہیں ہے کیوں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔"

(فتاویٰ البانیہ صفحہ ۱۱۸)

خود طارق صاحب نے جلالین کی عبارت کا ترجمہ "کوئی بھی اس کو یاد کر سکتا ہے" کیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا جب ذِکر کا ترجمہ "حفظ" ہو تب اَمر فرض کے لیے نہیں ہو سکتا۔ یا کم از کم فرضِ عین نہیں، فرضِ کفایہ ہو گا۔ (جاری)

عصمت اللہ نظامانی حفظہ اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

احادیث کی تضعیف کے سلسلے میں شیخ البانی کے تسامحات اور ان کا اصولی جائزہ

اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے بطورِ تمہید دو باتیں ملحوظ رہیں:

(الف): احادیث کی تصحیح و تضعیف نہایت پُر خطر معاملہ ہے، کیونکہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے علاوہ کوئی دوسری بات آپ کی طرف منسوب کرنے اور اسے صحیح حدیث قرار دینے پر سخت وعید آئی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کی نسبت آپ سے قطع کرنا، اور اسے ضعیف قرار دینا بھی ایک قابلِ مذمت فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن صلاح اور دوسرے متعدد حضرات محدثین نے بعد والوں کو احادیث کی تصحیح و تضعیف کرنے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

> **فالحاصل أن ابن الصلاح سد باب التصحيح والتحسين والتضعيف على أهل هذه الأزمان لضعف أهليتهم.** (۱)

> ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ علامہ ابن صلاح نے اس زمانے کے لوگوں پر اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے احادیث کو صحیح، حسن یا ضعیف قرار دینے کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے۔

اور علامہ سخاوی تحریر فرماتے ہیں:

> **قد وافق اختيار ابن الصلاح جماعة من المتأخرين.** (۲)

> یعنی متاخرین کی ایک جماعت نے امام ابن صلاح کی اس میں موافقت کی ہے۔

(ب): شیخ البانی نے احادیث کی تحقیق، اور ان نشر و اشاعت کے سلسلے میں جو خدمت سر انجام دی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ انہوں نے اکیلے ایک بڑی جماعت کا کام کیا ہے، تاہم اس بات سے چشم پوشی بھی نہیں کی جاسکتی کہ احادیث کی تصحیح و تضعیف کے سلسلے میں انہوں نے جو اسلوب اور منہج اپنایا تھا، اس میں انہوں نے حضرات محدثین اور ائمہ فن کے بیان کردہ اصول کا مکمل لحاظ نہیں رکھا، جس کی وجہ سے احادیث کی تصحیح اور تضعیف میں ان سے تسامحات کا صدور ہوا۔

ذیل میں احادیث کی تضعیف کے سلسلے میں شیخ البانی سے صادر ہونے والے کچھ تسامحات اور ان کا اصولی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

جرح کرتے وقت بعض جارحین پر اعتماد کرنا

(1)۔۔۔ احادیث کی تضعیف کے سلسلے میں رواۃ پر کلام کرنے کے لیے بہت سے مقامات پر شیخ البانی نے حضرات محدثین میں سے کسی ایک کے قول پر ہی اعتماد و انحصار کیا ہے، حالانکہ جرح و تعدیل کے اصول و قواعد کے پیشِ نظر یہ کوئی قابلِ تعریف بات نہیں، بلکہ کسی راوی پر جرح کرتے وقت اس سے متعلق متقدمین ائمہ فن کے مجموعی کلام، اور متاخرین کے اقوال سامنے رکھ کر پھر کوئی حکم لگایا جانا چاہیے۔ یہ نہیں کہ بعض حضرات کے کلام سے راوی کو مجروح، اور اس کی روایت ضعیف قرار دی جائے۔ کیونکہ اگر کسی ایک امام کی طرف سے راوی پر کی گئی جرح کا اعتبار کیا جانے لگے تو صحیح بخاری و مسلم کی بہت سی احادیث ضعیف قرار پائیں گی۔

مثلاً: بخاری و مسلم کا ایک راوی احمد بن عیسی بن حسان عسکری ہے۔ یحیی بن معین قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ یہ "کذاب" ہے۔ جیساکہ علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

قال أبو داود كان ابن معين يحلف انہ كذاب. (۳)

بخاری و مسلم کے ایک دوسرے راوی اسماعیل بن عبد اللہ بن ابی اویس کو نضر بن سلمہ مروزی نے "کذاب" کے لقب سے نوازا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عدی لکھتے ہیں:

سمعت ابن حماد يقول: سمعت النضر بن سلمة المروزي يقول: ابن أبي أويس كذاب. (۴)

بطورِ مثال بخاری و مسلم کے یہ دو راوی ذکر کیے گئے، اسی طرح اور بھی متعدد رواۃ ہیں جن پر بعض اہل فن نے جرح کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان **ائمہ** فن کی جرح کی وجہ سے رواۃ کو مجروح اور ان کی احادیث ضعیف نہیں قرار دی جاسکتیں۔ جیساکہ علامہ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

يجب عليک أن لا تبادر إلى الحكم بجرح الراوي بوجود حكمہ من بعض اهل الجرح والتعديل بل يلزم عليک أن تنقح الأمر فيہ ۔ ۔ ۔ إلخ. (۵)

جبکہ شیخ البانی کا احادیث کی تضعیف میں اسلوب مختلف ہے، وہ بعض حضرات کی طرف سے کی گئی جرح سے راوی کو مجروح قرار دیتے ہیں، اور اس کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، اگرچہ وہ راوی بخاری و مسلم کا ہی کیوں نہ ہو۔ جیساکہ آئندہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوگی۔

مراتبِ جرح کالحاظ نہ رکھنا

(2)۔۔۔ شیخ البانی بسا اقات مراتب جرح کی رعایت نہیں کرتے، بلکہ الفاظِ جرح کا لحاظ رکھے بغیر راوی کو مجروح گردانتے ہوئے اس کی روایت ضعیف قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جرح وتعدیل کا یہ اصول ہے کہ کسی راوی پر جرح ہونے کی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ وہ ضعیف ہو، بلکہ وہ راوی حسن درجے کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے الفاظِ جرح کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، علی الاطلاق ضعیف نہیں قرار دیا جائے گا۔(٦)

لیکن چونکہ شیخ البانی سے کبھی کبھی قواعدِ جرح وتعدیل کے برخلاف عمل کا صدور ہو جاتا ہے، اس لیے وہ بسا اوقات مراتبِ جرح کا لحاظ رکھے بغیر ایک راوی پر کی گئی مجمل یا مطلق جرح سے اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، حالانکہ اصولاً تو مراتبِ جرح کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا، اور اس حدیث کو ضعیف کہنے کے بجائے اس کی اسناد کو ضعیف کہا جاتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیخ البانی نے صحیح بخاری کی درجِ ذیل حدیث ضعیف قرار دی ہے؛

عن أبي هريرة قال: بينما النبي صلى اللہ عليہ وسلم في مجلس يحدث القوم، جاءہ أعرابي فقال: متى الساعة؟ ۔ ۔ ۔ قال: "فإذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة"، قال: كيف إضاعتها؟ قال: "إذا وسد الأمر إلى غير أهلہ فانتظر الساعة". (٧)

شیخ البانی نے اپنی کتاب "**سلسلۃ الأحاديث الضعيفۃ**" میں بخاری شریف کی یہ حدیث ضعیف قرار دی ہے، اور اس کی وجہ "**فليح بن سليمان**" نامی راوی کا ضعف بتلایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وعلتہ: فليح بن سليمان؛ فإنہ - وإن كان صدوقاً؛ فهو - كثير الخطأ. (٨)

یعنی ضعف کی علت **فليح بن سليمان** ہے؛ کیونکہ وہ اگرچہ صدوق ہے، لیکن کثیر الخطاء ہے۔

تو مراتبِ جرح کا لحاظ رکھے بغیر اس ایک راوی پر کی گئی جرح کی وجہ سے بخاری کی حدیث ضعیف قرار دی، حالانکہ **فليح بن سليمان** کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس پر اعلی قسم کے الفاظ سے جرح کی گئی ہو یا جس کی جرح پر ائمہ نے اتفاق کیا ہو، بلکہ متعدد حضرات نے اس کی تعدیل کی ہے۔(٩)

سند میں ضعف سے حدیث پر ضعف کا حکم لگانا

(3)۔۔۔ اگر کسی ایک سند یا ایک کتاب کے لحاظ سے حدیث میں کچھ ضعف ثابت ہو رہا ہو، لیکن دوسری کتب اور اسانید پر

نظر کرنے سے ضعف ختم ہو جاتا ہو، تو بھی بسا اوقات شیخ البانی اس ایک سند کو لے کر حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، دوسری اسانید کی طرف نظر نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کا یہ صنیع ائمہ محدثین کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر کسی حدیث کی ایک سند ضعیف ہو تو بھی اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ضعیف ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری سند بھی ہو۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس خاص سند کو ضعیف کہا جا سکتا ہے، مطلقاً روایت کو نہیں۔ چنانچہ علامہ صنعانی تحریر فرماتے ہیں:

إذا وقف أحد على إسناد ضعيف لم يكن له أن يحكم بضعف الحديث بل يحكم بضعف الإسناد، يعني إذا وجدت حديثا بإسناد ضعيف فليس لك أن تقول الحديث أي متنه ضعيف بل تحكم بضعف الإسناد. (۱۰)

ترجمہ: جب کوئی شخص کسی ضعیف سند پر مطلع ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حدیث پر ضعف کا حکم لگائے، بلکہ وہ سند پر ضعف کا حکم لگائے گا، یعنی اگر آپ کوئی ایسی حدیث پائیں جس کی سند ضعیف ہو تو آپ کو یہ اختیار نہیں کہ آپ حدیث یعنی متن ضعیف قرار دیں، بلکہ سند کے ضعیف ہونے کا حکم لگائیں گے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیخ البانی نے سنن ابی داؤد کی درجِ ذیل حدیث ضعیف قرار دی ہے:

عن ابن عباس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقت في الخمر حدا. وقال ابن عباس: شرب رجل فسكر فلقي يميل في الفج، فانطلق به إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فلما حاذى دار العباس انفلت ـ ـ ـ الحديث. (۱۱)

شیخ البانی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ابن جریج کا عنعنہ ہے (۱۲)، (یعنی وہ عن کہہ کر روایت بیان کر رہے ہیں) تو یہ حکم شیخ البانی نے صرف ابو داؤد کی سند کے لحاظ لگایا ہے، اگر دوسری کتب، مثلاً: سنن نسائی کی اسناد پر نظر کرتے تو اس طرح کا حکم نہ لگاتے؛ کیونکہ سنن نسائی میں ابن جریج نے سماع کی تصریح کی ہے۔ (۱۳)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابو داؤد اور نسائی کی اسناد کو قوی کہا ہے (۱۴)۔ اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی حافظ کا قول نقل کر کے اسے برقرار رکھا ہے۔ (۱۵)

الفاظِ تعدیل ذکر کرنے کے بجائے صرف الفاظِ جرح ذکر کرنا

(4)۔۔۔ احادیث کی تضعیف کے سلسلے میں شیخ البانی کا یہ بھی صنیع تھا کہ وہ راوی سے متعلق الفاظ جرح ذکر کرتے تھے، لیکن اس کے بارے میں کہے گئے الفاظِ تعدیل ذکر نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ائمہِ محدثین نے یہ اصول ذکر کیا ہے کہ راوی کے بارے میں اگر

جرح اور تعدیل دونوں قسم کے اقوال موجود ہوں تو صرف الفاظِ جرح ذکر کرنا، تعدیل و توثیق کے الفاظ ترک کر دینا درست نہیں، بلکہ دونوں قسم کے الفاظ ذکر کر کے پھر کوئی حکم لگایا جائے۔

لا يجوز الجرح بما فوق الحاجة ولا الاكتفاء على نقل الجرح فقط فيمن وجد فيه الجرح والتعديل كلاهما من النقاد. (۱۶)

یعنی ضرورت سے زیادہ جرح کرنا جائز نہیں، اور نہ اس راوی کی صرف جرح نقل کرنے پر اکتفاء کرنا جائز ہے، جس کے بارے میں جرح اور تعدیل دونوں موجود ہوں۔

لیکن شیخ البانی اس اصول کے بر خلاف بسا اوقات راوی سے متعلق صرف اقوالِ جرح ذکر کرتے ہیں، الفاظِ تعدیل و توثیق ذکر نہیں کرتے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیخ البانی نے درج ذیل حدیث ضعیف قرار دی ہے۔(۱۷)

عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من قرأ قل هو الله أحد مائتي مرة غفر له ذنب مائتي سنة ". (۱۸)

شیخ البانی نے مندرجہ بالا حدیث کے ضعف کی وجہ "الحسن بن ابی جعفر" نامی راوی کو قرار دیا ہے، اور اس سے متعلق ائمہ فن کی جرح تو نقل کی ہے، لیکن اس کی تعدیل سے متعلق کلام نقل نہیں کیا، حالانکہ مذکورہ راوی پر جس طرح جرح ہے، اسی طرح متعدد حضرات نے اس کی تعدیل بھی کی ہے۔

مثلاً: ابو حفص عمرو بن علی نے اس کو "**صدوق**"،(۱۹) اور مسلم بن ابراہیم نے "**وكان من خيار الناس**(۲۰)" کہا ہے، جبکہ علامہ ابن عدی نے ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

والحسن بن أبي جعفر له أحاديث صالحة، ۔ ۔ ۔ وهو عندي ممن لا يتعمد الكذب، وهو صدوق. (۲۱)

عبد الرحمن بن مہدی نے پہلے ان کی احادیث چھوڑ دی تھیں، لیکن پھر ان سے روایت کرنے لگے، اور فرمایا: "**ما كان لي حجة عند ربي**(۲۲)" یعنی میرے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔

ابن حبان نے "**وكان من خيار عباد الله**" کہا ہے(۲۳)۔ اسی طرح اور بھی متعدد حضرات نے ان کی تعدیل کی ہے، لیکن

شیخ البانی نے اس پر کی گئی جرح ذکر کرنے پر ہی اکتفاء کیا، تعدیل ذکر نہیں کی، اور ظاہر ہے کہ یہ **صنیع** اصولِ جرح وتعدیل اور ائمہ فن کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے۔

شدید ضعیف روایت میں تعدّدِ طرق کو غیر مفید کہنا

(5)۔۔۔ اگر کوئی شدید ضعیف حدیث تعددِ طرق سے مروی ہو تو بھی شیخ البانی اس پر وضع کا حکم لگنے سے گریز نہیں کرتے، جبکہ ان کا یہ صنیع درست نہیں۔ کیونکہ کوئی شدید ضعیف حدیث اگر تعددِ طرق سے مروی ہو تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ حدیث حسن کے رتبے کو نہ پہنچ سکے گی، جس طرح وہ ضعیف حدیث تعددِ طرق سے حدیث حسن کے رتبہ کو پہنچ جاتی ہے جس کا ضعف شدید نہ ہو۔ تاہم وہ شدید ضعیف حدیث تعددِ طرق سے موضوع یا باطل ہونے کی فہرست سے نکل جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں:

«وأما الضعف لفسق الراوي»، أو كذبه، «فلا يؤثر فيه موافقة غيره» له، إذا كان الآخر مثله، لقوة الضعف وتقاعد هذا الجابر، نعم يرتقي بمجموع طرقه، عن كونه منكرا أو لا أصل له. (۲۴)

ترجمہ: وہ ضعف جو راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے ہو تو اس میں غیر کی موافقت (تعددِ طرق) ضعف قوی ہونے کی وجہ سے اثر نہیں کرے گی، جبکہ دوسرا بھی اسی کے مثل ہو۔ البتہ ان مجموعی طرق اور اسانید سے وہ روایت منکر یا بے اصل ہونے کی فہرست سے نکل جائے گی۔

نیز ایسے ہی شدید ضعیف طرق کے بارے میں علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

ولكن بكثرة طرقه - - - يرتقي عن مرتبة المردود المنكر الذي لا يجوز العمل به بحال، إلى رتبة الضعيف الذي يجوز العمل به في الفضائل. (۲۵)

ترجمہ: لیکن کثرتِ طرق سے وہ روایت اُس مردود اور منکر کے درجے سے نکل کر (جس پر عمل کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہوتا) ایسے ضعیف کے مرتبہ تک پہنچ جائے گی جس پر فضائل میں عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔

لہذا شدید ضعیف حدیث کے تعدد طرق کو غیر مفید نہیں کہا جاسکتا۔ جبکہ شیخ البانی اصولیین اور ائمہِ حدیث کی ان تصریحات کے برخلاف فرماتے ہیں کہ اگر شدید ضعیف حدیث کے متعدد طرق ہوں تو بھی اس سے ضعف کم ہونے کے بجائے زیادہ ہوگا، ان کے الفاظ درجِ ذیل ہیں:

بل لا تزيده إلا وهنًا على وهن. (۲۶)

توچونکہ شیخ البانی نے احادیث کی تضعیف میں حضرات محدثین کے ذکر کردہ اصول کی مکمل رعایت نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں بہت سی ایسی روایات بھی ضعیف قرار دی ہیں جن کی متعدد ائمہ محدثین نے تصحیح کی ہے۔ بلکہ بخاری و مسلم کی بھی کئی احادیث کی شیخ البانی نے تضعیف کی ہے۔ صحیح بخاری کی ضعیف قراد دی گئی احادیث میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

1.- **عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " قال الله تعالى: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة، رجل أعطى بي ثم غدر" - - - الحديث.** (۲۷)

شیخ البانی نے بخاری کی اس حدیث کی تضعیف **"سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة"** میں کی ہے۔(۲۸)

2.- **عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " بينا أنا قائم إذا زمرة، حتى إذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم، فقال: هلم، فقلت: أين؟ قال: إلى النار والله، قلت: وما شأنهم؟ قال: إنهم ارتدوا بعدك على أدبارهم القهقرى، - - - الحديث.** (۲۹)

شیخ البانی سے اس حدیث کو شاذ، بلکہ منکر قرار دیا ہے(۳۰)۔ اور محدثین کے نزدیک شاذ اور منکر دونوں ضعیف احادیث کی اقسام میں سے ہیں۔(۳۱)

3.- **عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله، لا يلقي لها بالا، يرفعه الله بها درجات - - - الحديث.** (۳۲)

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی **"سلسلة الأحاديث الضعيف"** میں درج کر کی ہے، اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(۳۳)

اسی طرح بخاری و مسلم کی متعدد احادیث شیخ البانی نے ضعیف قرار دی ہیں، اگر ان کی تضعیف ائمۂ فن کے بیان کردہ اصول کا لحاظ رکھتے ہوئے کی جاتی تو یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تھی، کیونکہ امام دارقطنی اور بعض دیگر محدثین نے بھی صحیحین کی بعض احادیث پر جرح کی ہے۔ لیکن قابل مؤاخذہ بات یہ ہے کہ شیخ البانی نے احادیث کی تضعیف میں محدثین کے اصول و قواعد کے بجائے اپنے مخصوص مزاج اور منہج پر عمل کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان سے تسامحات کا صدور ایک یقینی بات تھی۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث کی تصحیح اور تضعیف کے سلسلے میں شیخ البانی کی تحقیق پر مکمل طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، البتہ جن حضرات

کو علم میں رسوخ ہو، خصوصاً حدیث اور اس سے متعلقہ علوم میں پختگی حاصل ہو، اور شیخ البانی کی تحقیقات سے مرعوب بھی نہ ہوں۔ ایسے حضرات شیخ البانی کی کتب سے استفادہ کرسکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

---

(۱) **تدريب الراوي للسيوطي**،(1/162)، **الناشر**: **دار طيبة**

(۲) **فتح المغيث للسخاوي**، (1/73)، **الناشر**: **مكتبة السنة- مصر، ط**: 1424**هـ**- 2003**م**

(۳) **تهذيب التهذيب لابن حجر**، (1/56)، **رقم الترجمة**: 115، **الناشر**: **دار الفكر، ط**1404**هـ** -1984**م**

(۴) **الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي**، (1/525)، **رقم الترجمة**: 151، **الناشر**: **دار الكتب العلمية -بيروت، ط**:1418**هـ** -1997**م**

(۵) **الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي**، (ص:264)، **إيقاظ**: 19، **الناشر**: **مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب، ط**:1407**هـ**

(۶) **تقريب التهذيب لابن حجر**، (ص:74)، **الناشر**: **دار الرشيد- سوريا، ط**1406**هـ**- 1986**م**

(۷) **صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه**، (1/21)، **رقم الحديث**: 59، **الناشر**:**دار طوق النجاة، ط**:1922**م**

(۸) **سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة للألباني**، (14/1037)، **الناشر**: **دار المعارف -الرياض، ط**:1412**هـ** -1992**م**

(۹) **تهذيب التهذيب لابن حجر**، (8/273)- **وسير أعلام النبلاء للذهبي**، (7/354)، **رقم الترجمة**: 132، **الناشر**: **مؤسسة الرسالة -بيروت، ط**:1413**هـ** -1993**م**

(۱۰) **توضيح الأفكار للصنعاني**، (2/81)، **الناشر**:**دار الكتب العلمية -بيروت**، 1417**هـ** -1997**م**

(۱۱) **سنن أبي داود، كتاب الحدود، باب الحد في الخمر**، (6/525)، **رقم الحديث**:4476، **الناشر**:**دار الرسالة العالمية، ط**:1430**هـ** -2009**م**

(۱۲) **تخريج المشكاة للألباني**، (2/1075)

(۱۳) **السنن الكبرى للنسائي، كتاب الحد في الخمر**، (3/254)، **رقم الحديث**: 5290، **الناشر**: **دار الكتب العلمية- بيروت، ط**:1411**هـ** -1991**م**

(۱۴) **فتح الباري لابن حجر**، (12/72)، **النازر**: **دار المعرفة -بيروت، ط**:1379**هـ**

(۱۵) **نيل الأوطار للشوكاني**، (7/177)، **الناشر**: **دار الحديث -مصر، ط**:1413**هـ** -1993**م**

(۱۶) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنوي، (ص:57)

(۱۷) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة للألباني، (1/464)

(۱۸) شعب الإيمان للبيهقي، (4/147)، رقم الحديث:2311، الناشر:مكتبة الرشد -الرياض، ط:1423ھ -2003م / وتاريخ بغداد للخطيب، (6/187)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت

(۱۹) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، (3/29)، رقم الترجمة:118، الناشر:دار إحياء التراث العربي، بيروت

(۲۰) تهذيب التهذيب لابن حجر،(2/228)، رقم الترجمة: 482، الناشر: دار الفكر، ط:1404ھ -1984م

(۲۱) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي، (3/143)، رقم الترجمة؛ 447

(۲۲) تهذيب التهذيب لابن حجر، (2/228)

(۲۳) المجروحين لابن حبان، (1/236)، رقم الترجمة: 213، الناشر: دار الوعى -حلب، ط:1396ھ

(۲۴) تدريب الراوي للسيوطي، (1/194)، الناشر: دار طيبة

(۲۵) فتح المغيث للسخاوي، (1/97)، الناشر:مكتبة السنة -مصر، ط:1424ھ -2003م

(۲۶) نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق للألباني، (ص:40)، الناشر: المكتب الإسلامي- بيروت، ط:1417ھ -1996م

(۲۷) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب إثم من باع حرا، (3/90)، رقم الحديث: 2270

(۲۸) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة للألباني، (14/589)، رقم الحديث: 6763

(۲۹) صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب في الحوض، (8/121)، رقم الحديث:6587

(۳۰) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة للألباني، (14/1031)، رقم الحديث:6945

(۳۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر لابن حجر، (69)، الناشر: إسلامي كتب خانہ

(۳۲) صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، (8/101)، رقم الحديث:6478

(۳۳) سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة للألباني، (3/463)، رقم الحديث:1299

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ قسط:۲

سجدوں کے رفع یدین کا ثبوت رئیس محمد ندوی غیر مقلد کی زبانی

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثیں

پہلی حدیث

رئیس محمد ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب نے کہا کہ میرے باپ ابن عمر نماز میں جب سجدہ کر کے سر اٹھاتے تھے اور قیام کا ارادہ کرتے تھے تو موصوف ابن عمر رفع الیدین کرتے تھے۔(جزر فع الیدین حدیث نمبر ۱۳ صفحہ ۵۱،۵۲) مذکور بالا روایت کی سند صحیح ہے ابن عمر سے اسے روایت کرنے والے ان کے صاحب زادے سالم مشہور و معروف ثقہ ہیں۔''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۰)

حدیث مذکور کی سند کے راوی علاء بن عبد الرحمن

ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''سالم سے اس کے ناقل علاء بن عبد الرحمن بن یعقوب حرقی مدنی متوفی ۱۳۹ھ ثقہ وحجت ہیں۔ ان کے پاس احادیث پر مشتمل ان کا تیار کردہ ایک نسخۂ کتاب تھا جس کی بابت ابن سعد نے کہا:'' صحیفة العلاء بالمدینة مشهورة وكان ثقة كثير الحديث یعنی موصوف علاء کا تحریر کردہ صحیفہ حدیث مدینہ میں مشہور ہے اور وہ کثیر الحدیث ثقہ راوی ہیں۔ ابن عدی نے کہا:'' وللعلاء نسخ يرويها عنه الثقات، یعنی علاء کا تیار کردہ نسخہ احادیث تھا جسے ثقہ رواۃ روایت کرتے ہیں۔ عام اہل علم نے موصوف کو ثقہ وحجت قرار دیا ہے اور ان کی حدیث کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۱)

اس حدیث معتبر کا واضح مفاد

ندوی صاحب جزر فع یدین والی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ مذکور کا مفاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث معتبر کا واضح مفاد یہ ہے کہ پہلی یا دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت کی کسی قید کے بغیر علی الاطلاق ابن عمر سجدہ سے سر اُٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر سجدہ سے اٹھتے وقت موصوف ابن عمر رفع الیدین کرتے تھے۔ نیز اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہر رکعت کے دوسرے والے سجدہ سے اُٹھتے وقت بھی موصوف ابن عمر رفع الیدین کرتے تھے۔ پہلی اور تیسری رکعت کے آخری سجدہ سے سر اُٹھتے ہی فوراً نمازی تیسری رکعت کے قیام کے لیے کھڑا ہونے لگتا ہے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے سجدۂ اخیرہ سے اُٹھنے کے بعد قعدہ میں بیٹھتا ہے۔ اس کا لازمی مطلب ہے کہ ابن عمر سجدہ کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کا کوئی دوسرا معنی و مطلب بتانا خلاف ظاہر ہے اور ظاہر سے عدول بلا دلیل جائز نہیں۔''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۱)

شیخ بدیع الدین راشدی کی غیر مناسب حرکت

ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''جزء رفع الیدین کے تعلیق نگار شیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی نے اس کے ظاہری معنٰی سے عدول کیا ہے جو مناسب نہیں خصوصا اس صورت میں کہ دوسری روایات سے اس کے ظاہری معنٰی ہی کی تائید و تعیین ہوتی ہے۔ کما سیاتی''

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۱)

سجدوں کی رفع یدین کے اثبات اور نفی والی حدیثوں کے درمیان تطبیق

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''ابن عمر سے جو بعض روایات میں منقول ہے کہ وہ خود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت سجدہ رفع الیدین

نہیں کرتے تھے تو اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کبھی کبھی بعض مرتبہ سجدہ کے وقت ابن عمر رفع الیدین نہیں بھی کرتے تھے کیوں کہ سجدہ کے وقت والا رفع الیدین واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ بھی نہیں صرف مستحب و غیر مؤکدہ سنت ہے جس کا کبھی کبھی بلکہ بسا اوقات چھوڑ دینا جائز ہے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۱)

حدیث ابن عمر معنوی طور پر مرفوع ہے

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے یعنی صرف فعل ابن عمر ہے مگر معنوی طور پر مرفوع حدیث نبوی کے حکم میں ہے کیوں کہ ابن عم ہی سے اس معنیٰ و مفہوم کی مرفوع حدیث بھی منقول ہے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔ ہم مذکورہ بالا حدیث کو معنوی طور پر ابن زبیر والی حدیث کی متابع و شاہد سمجھتے ہیں اور آنے والی تفصیل سے ہماری یہ بات واضح ہو کر منقح ہو جائے گی۔ ناظرین کرام صبر کے ساتھ مطالعہ جاری رکھیں۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۰)

دوسری حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"امام ابن ابی شیبہ نے کہا کہ: محارب بن دثار نے کہا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب کو دیکھا کہ موصوف رکوع و سجود کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جس کے جواب میں ابن عمر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کے بعد اُٹھتے تھے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۳۶، ۲۳۵)"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۲)

مصنف ابن ابی شیبہ والی حدیث کی صحت پر بحث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

”مذکورہ بالا حدیث کے سبھی رواہ ثقہ ہیں۔ عاصم بن کلیب پر صرف اتنا کلام ہے کہ جس روایت کی نقل میں منفرد ہیں وہ حجت نہیں کیوں کہ آخری عمر میں موصوف مختلط ہو گئے تھے جن احادیث کی بابت معلوم ہو سکے کہ اختلاط سے پہلے کی بیان کردہ ہیں وہ حجت ہیں مگر اس بحث میں پڑے بغیر عرض ہے کہ عاصم کی متابعت اوّلاً اس کے پہلے والی منقول حدیث سے ہوتی ہے جو موصوف کے صاحب زادے سالم جیسے ثقہ سے مروی ہے وہ موقوف ہونے کے باوصف معنوی طور پر مرفوع ہے جیسا کہ آنے والی تفصیل سے بات واضح ہو جائے گی۔ ثانیاً زیر نظر محارب والی یہ حدیث بذات خود سالم والی موقوف حدیث کی معنوی متابع ہے اور معنوی متابعت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سالم والی روایت مرفوع کے حکم میں ہے کیوں کہ محارب والی اس روایت میں صراحت ہے کہ ابن عمر رکوع کے وقت رفع الیدین کی طرح سجدہ کے وقت جو رفع الیدین کرتے تھے اسے موصوف سنت نبویہ بتلاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ زیر نظر روایت محارب ایک سالم والی روایت کی متابع ہے تو سالم والی روایت زیر نظر محارب کی متابع ہے اور ان دونوں کی متابعت کرنے والی ایک تیسری روایت ہم سنن دار قطنی سے ذیل میں درج کر رہے ہیں۔“

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۲)

تیسری حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

”نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اگر کسی آدمی کو نماز پڑھتے دیکھتے کہ وہ ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت رفع الیدین نہیں کر رہا ہے تو موصوف اس آدمی کو کنکریوں سے مار کر ہر جھکنے اور اُٹھنے کے وقت رفع الیدین کرنے کا حکم دیتے تھے۔“ (سنن دار قطنی ج ا ص ۲۰۹) مذکورہ بالا حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں صرف اس کے یک راوی عیسی بن عمر ابی عمران رملی مجروح ہیں عیسیٰ موصوف کا ترجمہ لسان المیزان میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف ثقہ نہیں مگر ان سے مذکورہ بالا روایات کی تائید و متابعت بہر حال ہوتی ہے۔“

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۳)

چوتھی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت رکوع رفع الیدین کرتے تھے اور سجدہ کے لیے جھکتے وقت بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال ھیثمی فی مجمع الزوائد اسنادہ صحیح ص ۱۰۲) امام الھیثمی کی صحیح قرار دی ہوئی یہ روایت بھی اپنی ہم معنی سابقہ روایات کی متابع ہے اور یہ روایات سابقہ اس کی متابع ہیں۔ اس سلسلے میں مزید بحث آگے آرہی ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۳)

پانچویں حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"مشکل الآثار للطحاوی میں بروایت نصر بن علی بن عبد الاعلی عن عبد اللہ عن نافع مروی ہے کہ ابن عمر نماز میں جھکنے، اُٹھنے اور رکوع وسجدہ وقیام کرنے کے وقت نیز دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ (مشکل الآثار للطحاوی والمعتصر من المختصر من مشکل الآثار باب رفع الیدین ج ۱ ص ۳۷ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین حدیث نمبر ۳۹ کے تحت ج ۲ ص ۲۲۳) مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے اور اس بات پر بالصراحت دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہر تکبیر وتسمیع پر رفع الیدین کرتے تھے اسے حافظ ابن حجر نے اس بنا پر شاذ قرار دیا کہ عام مشائخ حفاظ نے نصر بن علی عبد الاعلیٰ عن عبید اللہ عن نافع کی سند یہی حدیث نقل کی ہے جس میں صرف تحریمہ ورکوع جاتے، رکوع سے اُٹھتے اور قعدۂ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لئے اُٹھتے وقت رفع الیدین کا ذِکر ہے اور ان چار مواقع کے علاوہ باقی خفض ورفع وسجود وقیام یعنی تکبیر پر رفع الیدین کا ذِکر نہیں ہے لہٰذا روایت طحاوی میں ان مواقع کے علاوہ ہر تکبیر پر رفع الیدین کا ذِکر شاذ ہوا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں احادیث کا صرف ایک ہی نماز کے بارے میں مروی ہونا اگر متحقق طور پر ثابت ہو تو روایت طحاوی پر شاذ ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے ورنہ دونوں مختلف مضمون والی روایات کو اگر مختلف اوقات والی نمازوں کے سلسلے میں مانا جائے اور یہی بات اس بنا پر متحقق اور صحیح ہے کہ دونوں میں سے ہر صحیح الاسناد روایت میں سے کسی کا رد لازم نہ آئے تو روایت

طحاوی پر شاذ کا حکم لگانا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اس توجیہ کے مطابق دونوں احادیث میں حقیقی اور معنوی اختلاف ہے ہی نہیں کیوں کہ دونوں دو مختلف وقت نمازوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اس لیے دونوں میں سے ہر حدیث کا صحیح ہونا اپنی جگہ پر برقرار ہے۔" (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۳،۳۶۴)

چھٹی حدیث

ندوی صاحب لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا حدیث کو معنوی طور پر حافظ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی ج ۴ ص ۱۲۹،۱۲۸) میں نقل کیا جس کے الفاظ یہ ہیں: ابن عمر نماز میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اور سجدہ کے وقت اور ہر دو رکعت کے درمیان رفع الیدین کرتے تھے ان کا رفع الیدین سینے تک ہوتا تھا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ سینے تک رفع الیدین مبکیدس یعنی مونڈھوں تک رفع الیدین کے تقریبا ہم معنیٰ ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کو حافظ ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے اور ان کی کتاب المحلی کے حاشیہ نگار علامہ شاکر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے بلکہ "اصح الاسناد" کہا ہے نیز ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت شاذ نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی علت قادحہ سے یہ محفوظ ہے اور قطعی طور پر قابل حجت و لائق استدلال ہے اور یہ محفوظ اور صحیح حدیث اپنی ہم معنی ان تمام احادیث موقوفہ و مرفوعہ کی زبردست قوی متابع ہے جن کا ذکر ہم کر آئے ہیں اور آگے کرنے والے ہیں۔ نیز یہ حدیث تنہا متابع کے بغیر بذات خود بھی حجت ہے البتہ اپنے متابع کی بدولت اس کی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح طریقۂ نماز صفحہ ۳۶۵،۳۶۴)

(...جاری ہے)

مولانا ثناء اللہ صفدر حفظہ اللہ قسط:۴

تنظیم فکر ولی اللہی کا نظریہ حدیث

تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہیں کہ وحی کی دو قسمیں ہیں۔

1: وحی متلو: یعنی جس کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی ہو جیسے قرآن۔

2: وحی غیر متلو: یعنی جس کی باقاعدہ تلاوت نہ کی جاتی ہو جیسے احادیثِ مبارکہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ حدیث کی شکل میں ارشاد فرماتے تھے اسے وحی کہلاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وماینطق عن الهوي ،ان هو الا وحی یوحی۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں اُنہیں وحی کی جاتی ہیں۔

پتہ چلا کہ احادیث بھی وحی کے قبیل میں سے ہیں، اور قرآن کی طرح مسلمانوں کیلئے قابلِ حجت وعمل ہے۔

جبکہ منکرینِ حدیث وحی غیر متلو یعنی احادیث کے منکر ہیں اور آج اسی روش وڈگر پہ فکری حضرات چل پڑے ہیں۔

تفسیر الہام الرحمن میں لکھا ہے۔

ولکن البلاء الذی وقع فیہ المسلمون فی تدبرھم ھو انجم ماحصروا الوحی فی القرآن۔

یعنی مسلمان اپنی فہم وفراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑھ گئے اور وہ یہ کہ اُنہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا (یعنی احادیثِ مبارکہ کو بھی وحی سمجھتے ہیں۔ صفدر) (الہام الرحمن ج1 ص266)

یاد رہے یہ حوالہ انکے کوئی عام کتاب کی نہیں، بلکہ تنظیم فکر ولی اللہی کی بنیادی کتاب "تفسیر الہام الرحمن" سے ہم نے پیش کیا، فکریوں کے سالانہ دورہائے تفسیر اسی "الہام الرحمن" اور تفسیر "المقام المحمود" کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ان جیسے نظریات کو ولی اللہی علوم ومعارف کا نام دیکر مسلم نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

> مگر اہل علم کی ایک جماعت ہے جو اس آیت "**وماینطق عن الھوی ان ھو وحی یوحیٰ**" کو صرف قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔
>
> وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے۔اس کے نزدیک "**وماینطق عن الھوی ان الاوحی یوحی**" صرف قرآن کی نقل کرنے پر محدود نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "**وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**" میں داخل ہے۔اور اس کے خیال میں اس کو" ان ھو الا وحی یوحیٰ" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص104)

دیکھئے! مذکورہ عبارت میں سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت آیت مبارکہ "**وماینطق عن الھویٰ**" میں قرآن وحدیث دونوں کو داخل مانتے ہیں۔حالانکہ حقیقت یہ ہے اس میں کسی بھی اہل علم کی جماعت کا اختلاف نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تمام مسلمان (سوائے منکرین حدیث کے) اس بات پر متفق ہیں کہ احادیث وحی غیر متلو ہیں۔اس میں تو سرے سے کسی کا اختلاف نہیں ہے، پھر صحابہ کرام کے دور سے لیکر آج تک کے علماء وفقہاء اور محدثین کو اہل علم کی "ایک جماعت" کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جارہا ہے کہ گویا اس "ایک جماعت" کے علاوہ باقی سب مسلمان احادیث کو وحی نہیں مانتے۔معاذ اللہ۔

تفسیر المقام المحمود میں لکھا ہے کہ ابتداء میں قانون صرف قرآن تھا سنت کی وجہ سے قرآن کا بہت سا حصہ مسلمانوں سے چھوٹ گیا۔

الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

> ولید نے عمر بن عبد العزیز کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا اور انہوں نے مدینہ کے علماء کو جمع کرکے سنت (حدیث) کے لکھنے کی بنیاد ڈالی۔اس وقت تک مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے سواء کوئی اور قانون نہیں تھا۔اب یہ

قانون اقصائے چین سے لیکر مغرب تک پہنچ گیا۔ متمدن اقوامِ عالم نے اس قانون کو اپنا دستور العمل بنالیا اور اپنا سمجھا۔

شروع میں سنت کو قرآن مجید کا ایک شارح بنادیا گیا یعنی اساسی قانون تو قرآن مجید ہے اور یہ سنت اسکی شارح ہے مگر آگے چل کر قرآن مجید کا صرف اتنا حصہ مسلمانوں میں باقی رہا جو اس سنت کے مطابق تھا اور بہت سا حصہ چھوٹ گیا۔ (المقام المحمود ص 167 / 66، جز عم پارہ، صفہ اکیڈمی)

دیکھئے! یہاں فکری حضرات نے مذکورہ عبارت میں حجیت حدیث جیسے بنیادی عقیدہ پر انتہائی خطرناک حملہ کیا ہے، انکا یہ کہنا "حدیث لکھنے کی بنیاد عمر بن عبد العزیز نے ڈالی اور اس وقت تک مسلمانوں کے پاس قرآن کے علاوہ اور کوئی قانون نہ تھا"

یہ خالص پرویزی ذہنیت کی ترجمانی ہے۔

ہم فکریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر احادیث کی بنیاد عمر بن عبد العزیز نے ڈالی ہے تو پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ:

"ترکت فیکم امرین لن تضلوا اما تمسکتم بھما"

اسی طرح **"الا انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ"**

یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جارہاہوں تم لوگ اگر اسکی پیروی کروگے تو ہرگز گمراہ نہیں ہونگے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ۔

دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ مجھے دو چیزیں دی گئی ہیں ایک کتاب دوسری کتاب کے مثل جیسی چیز۔ (یعنی احادیث مبارکہ)

اب اِن واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ عمر ان عبد العزیز رحمہ اللہ کے زمانہ تک مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور قانون نہ تھا، عمر بن عبد العزیز نے ہی احادیث لکھوانے کی بنیاد ڈال دی۔ یہ واضح دجل، دھوکہ اور منکرینِ حدیث کے پروگرام ومشن کو آگے بڑھانے کے مترادف ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں پورے دین پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (جاری)

محترم محسن اقبال صاحب حفظہ اللہ

مسئلہ رفع الیدین اور مذاہب (نام نہاد) اہل حدیث

رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے اور نہ کرنے سے متعلق سلف صالحین وائمہ ھدی کے مابین اختلاف ہے اور دور اول یعنی صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم سے اس میں اختلاف چلا آرہا ہے اور اس اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ رفع یدین کے بارے مختلف روایات وارد ہوئی ہیں لہذا جس مجتہد نے اپنے دلائل کی روشنی میں جس صورت کو زیادہ بہتر و راجح سمجھا اسی کو اختیار کیا اور کسی بھی مجتہد نے دوسرے مجتہد کے عمل واجتہاد کو باطل وغلط نہیں کہا۔ اور یہی حال ان مجتہدین کرام کا دیگر اختلافی مسائل میں بھی ہے کہ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے کے ساتھ محبت وعقیدت واحترام کا رشتہ رکھتے تھے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں لیکن بہت سارے اجتہادی مسائل میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں حتی کہ رفع یدین کے مسئلہ میں بھی دونوں استاذ وشاگرد کا اجتہاد مختلف ہے امام شافعی رحمہ اللہ رفع یدین کے قائل ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ رفع یدین کے قائل نہیں۔

رفع یدین کے بارے مذاہب اربعہ کی تصریحات

1: احناف کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین خلاف اولی ہے یعنی بہتر نہیں ہے

فتاوی شامی میں ہے

(قولہ إلا فی سبع) أشار إلى أنه لا يرفع عند تكبيرات الانتقالات، خلافا للشافعي وأحمد، فيكره عندنا ولا يفسد الصلاة الخ رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها)

2: مالکیہ کے نزدیک بھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مکروہ وخلاف اولی ہے،

مذہب مالکیہ کی مستند کتاب المدونۃ الکبری میں ہے،

ففي المدونة الكبرى قال الإمام مالك: (لا أعرف رفع اليدين في شيء من تكبير الصلاة، لا في خفض ولا في رفع إلا في افتتاح الصلاة، يرفع يديه شيئا خفيفا، والمرأة في ذلك بمنزلة الرجل)، قال ابن القاسم: (كان رفع اليدين ضعيفا إلا في تكبيرة الإحرام) المدونة الكبرى للإمام مالك ص 107 – دار الفكر بيروت)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز کی تکبیرات میں کسی جگہ رفع الیدین نہیں جانتا نہ رکوع میں جاتے

وقت اور نہ رکوع سے اٹھتے وقت مگر صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت ، امام مالک کے صاحب وشاگرد ابن القاسم فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کرنا ضعیف ہے مگر صرف تکبیر تحریمہ میں۔

امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ پر ذرا غور کریں لاأعرف یعنی میں نہیں جانتا تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنا الخ یاد رہے کہ کتاب المُدَونۃ الکبری فقہ مالکیہ کی اصل وبنیاد ہے دیگر تمام کتابوں پر مقدم ہے اور موُطأالإمام مالک کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے اور اکثر علماء مالکیہ کی جانب سے اس کتاب المدونۃ کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور فتاوی کے باب میں بھی علماء مالکیہ کا اسی پر اعتماد ہے اور روایت و درجہ کے اعتبار سے سب سے اَصدق و اَعلی کتاب ہے علامہ ابن رشد المالکی نے بھی یہی تصریح کی ہے اور فرمایا کہ رفع یدین میں اختلاف کا سبب دراصل اس باب میں وارد شدہ مختلف روایات کی وجہ سے ہے یعنی چونکہ روایات مختلف ہیں لہذا ائمہ مجتہدین کا عمل بھی ہوگا . اھ۔ لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے والوں کی نماز غلط ہے تو ایسے لوگ جاہل وکاذب ہیں۔

وأما اختلافهم فی المواضع التی ترفع فیها فذهب أهل الكوفة أبوحنيفة وسفيان الثوری وسائر فقهائهم إلی أنه لا يرفع المصلی يديه إلا عند تكبيرة الإحرام فقط ، وهی رواية ابن القاسم عن مالك الی ان قال والسبب فی هذا الاختلاف كله اختلاف الآثار الواردة فی ذلك الخ بداية المجتهد، كتاب الصلاة، للعلامه ابن رُشد المالکی

علامہ عبد الرحمن الجزيري نے بھي یہی تصریح کی ہے کہ مالکیہ کے نزدیک رفع یدین دونوں کندھوں تک تکبیر تحریمہ کے وقت مستحب ہے اس کے علاوہ مکروہ ہے

المالكية قالوا: رفع اليدين حذو المنكبين عند تكبيرة الاحرام مندوب، وفيما عدا ذلك مكروه الخ الفقه علی المذاهب الاربعة لعبد الرحمن الجزيری الجزء الاول كتاب الصلاة باب رفع اليدين

3: شافعیہ کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے رفع یدین سنت ہے، امام شافعی کی کتاب الاُم میں یہی تصریح موجود ہے اور دیگر علماء شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے

قال سألت الشافعی: أين ترفع الأيدی فی الصلاة قال: يرفع المصلی يديه فی أول ركعة ثلاث مرات، وفيما سواها من الصلاة مرتين مرتين يرفع يديه حين يفتتح الصلاة مع تكبيرة الافتتاح حذو منكبيه ويفعل ذلك عند تكبيرة الركوع وعند قوله سمع الله لمن حمده حين يرفع رأسه من الركوع ولا تكبيرة للافتتاح إلا فی الأول وفی كل ركعة تكبير ركوع، وقول سمع الله لمن حمده عند رفع رأسه من الركوع فيرفع يديه فی هذين الموضعين فی كل صلاة الخ كتاب الأم، باب رفع اليدين فی الصلاة قال الشافعی) وبهذا نقول فنأمر كل مصل إماما، أو مأموما، أو منفردا؛ رجلا، أو امرأة؛ أن يرفع يديه إذا افتتح الصلاة؛ وإذا كبر للركوع؛

وإذا رفع رأسه من الركوع ويكون رفعه في كل واحدة من هذه الثلاث حذو منكبيه؛ ويثبت يديه مرفوعتين حتى يفرغ من التكبير كله ويكون مع افتتاح التكبير، ورد يديه عن الرفع مع انقضائه . كتاب الأم، باب رفع اليدين في التكبير في الصلاة

4: حنابلہ کے نزدیک بھی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت ہے۔

مسئلة: قال: (ويرفع يديه كرفعه الأول) يعني يرفعهما إلى حذو منكبيه، أو إلى فروع أذنيه، كفعله عند تكبيرة الإحرام، ويكون ابتداء رفعه عند ابتداء تكبيره، وانتهاؤه عند انتهائه . كتاب المُغنى لإبن قدامة الحنبلي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة۔

رفع یدین کے بارے میں اہلحدیث علماء کے آپس میں اختلافات

مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ نذیریہ جلد 1 صفحہ 441 میں فرماتے ہیں کہ رفع یدین میں جھگڑا کرنا تعصب اور جہالت کی بات ہے، کیونکہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں، دلائل دونوں طرف ہیں۔ اسی کتاب میں کہتے ہیں کہ رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونو مروی ہے. (فتاوی نذیریہ جلد 1 صفحہ 444)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ہے کہ رفع یدین کرنا مستحب امر ہے جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا. (فتاوی ثنائیہ جلد 1 صفحہ 579)

اسی کتاب میں کہتے ہیں کہ ترک رفع ترک ثواب ہے ترک فعل سنت نہیں. (فتاوی ثنائیہ جلد 1 صفحہ 608)

نواب صدیق حسن خان شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کرتے ہوے فرماتے ہیں۔

"رفع یدین وعدم رفع یدین نماز کے ان افعال میں سے ہے جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں کیا ہے، اور سب سنت ہے، دونوں بات کی دلیل ہے، حق میرے نزدیک یہ ہے کہ دونوں سنت ہیں۔

(روضہ الندیہ, صفحہ 148)

1ور اسی کتاب میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں ولا یلام تارکہ وان ترکہ مدعمرہ (صفحہ 150)۔ یعنی رفع یدین کے چھوڑنے والے کو ملامت نہیں کی جاے گی اگرچہ پوری زندگی وہ رفع یدین نہ کرے۔

علامہ ابن تیمیہ فتاوی ابن تیمیہ جلد 22 ص 253 پر لکھتے ہیں

سواء رفع اولم يرفع يديه لا يقدح ذلك في صلاتهم ولا يبطلها، لا عند ابي حنيفة ولا الشافعي، ولا مالك ولا احمد، ولو رفع الامام دون المأموم او المأموم دون الامام لم يقدح ذلك في صلاة واحد منهما۔

یعنی اگر کسی رفع یدین کیا یا نہ کیا تو اس کی نماز میں کوئی نقص نہیں، امام ابو حنیفہ، امام شافعی امام احمد اور امام مالک کسی کے یہاں بھی نہیں۔ اسی طرح امام اور مقتدی مین سے کسی ایک نے کیا تب بھی کوئی نقص نہیں۔

الشیخ عبد العزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی اعظم سعودی عرب فرماتے ہیں:

السنة رفع اليدين عند الإحرام وعند الركوع وعند الرفع منه وعند القيام إلى الثالثة بعد التشهد الأول لثبوت ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم وليس ذلك واجبا بل سنة فعله المصطفى صلى الله عليه وسلم وفعله خلفاؤه الراشدون وهو المنقول عن أصحابه صلى الله عليه وسلم فالسنة للمؤمن أن يفعل ذلك في جميع الصلوات وهكذا المؤمنة۔۔۔۔ كله مستحب وسنة وليس بواجب ولو صلى ولم يرفع صحت صلاته اه

تکبیر تحریمہ کہتے وقت، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھنے کے بعد، اور پہلے تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا سنت ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم سے اس کا کرنا ثابت ہے۔ لیکن یہ واجب نہیں سنت ہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے، پس ہر مومن مرد و عورت کو اپنی تمام نمازوں میں اسے اپنانا چاہیے،۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ سب مستحب اور سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے۔

(مجموع فتاویٰ بن باز جلد 11 ص 156)

نائب مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

وهذا الرفع سنة، إذا فعله الإنسان كان أكمل لصلاته، وإن لم يفعله لا تبطل صلاته، لكن يفوته أجر هذه السنة "رفع الیدین کرنا سنت ہے، اسے کرنے والا انسان اپنی نماز مکمل ترین صورت میں ادا کرتا ہے۔ اگر کوئی اسے چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی لیکن وہ اس سنت کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے"

(مجموع فتاویٰ ورسائل العثمین جلد 13 ص 169)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سجدوں کا رفع یدین

سجدوں میں جاتے وقت رفع یدین کرنا

غیر مقلدین سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ غیر مقلدین سجدوں کی رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ جبکہ سجدوں میں جاتے

وقت کا رفع یدین 10 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ غیر مقلدین کے مانے ہوئے محقق اور محدث علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ یہ رفع یدین 10 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن بصری، طاؤس، ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع، سالم بن نافع، قاسم بن محمد، عبد اللہ بن دینار، اور عطاء اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ عبد الرحمٰن بن مہدی نے اس کو سنت کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس پہ عمل کیا ہے، امام مالک رح اور امام شافعی رح کا بھی ایک قول یہی ہے۔" (نماز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ ناصر الدین البانی، صفحہ 131)

جب سجدوں کا رفع یدین حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ساتھ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ غیر مقلدین کے تصدیق شدہ محقق کی تصریح کے ساتھ ثابت ہے تو غیر مقلد ان صحیح احادیث پہ عمل کیوں نہیں کرتے؟

یہ وہی عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ ہیں جن سے غیر مقلدین اپنی رفع یدین کی حدیث روایت کرتے ہیں۔

سجدوں سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ سجدوں سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کو صحیح کہتے ہیں۔

"امام احمد اس مقام پر رفع یدین کے قائل ہیں بلکہ وہ ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ابن الاثیر امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے رفع یدین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب بھی نمازی اوپر یا نیچے ہو دونوں صورتوں میں رفع یدین ہے نیز اثرم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو دیکھا وہ نماز میں اٹھتے بیٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ یہ رفع یدین انس، ابن عمر، نافع، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین اور ایوب سختیانی سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے"۔

(نماز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، علامہ ناصر الدین البانی، صفحہ 142)

یہاں علامہ البانی رح نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سجدوں سے سر اٹھاتے وقت کا رفع یدین صحیح سند سے ثابت کیا۔ غیر مقلدین سجدوں میں جاتے وقت اور ست اٹھاتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا رئیس ندوی صاحب امام بخاری کی کتاب جزء رفع الیدین سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سجدوں کی رفع یدین ذکر کرنے کے بعد اس کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ

"اس حدیث معتبر کا واضح مفاد یہ ہے کہ پہلے یا دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت کی قید کے بغیر علی الاطلاق ابن عمر

رضی اللہ عنہ جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے ،اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ہر سجدہ سے اٹھتے وقت موصوف ابن عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے تھے۔۔۔ اس حدیث کا لازمی مطلب ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سجدہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اسکے علاوہ اس حدیث کا کوئی دوسرا معنی و مطلب بتانا خلافِ ظاہر ہے"

(رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز۔ صفحہ 361)

اسی صفحہ پہ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ

"ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو بعض روایات منقول ہیں کہ وہ خود اور نبی کریم ﷺ بوقت سجدہ رفع یدین نہیں کرتے تھے تو اسکا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کبھی کبھار بعض مرتبہ سجدہ کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین نہیں کرتے تھے"(رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز۔ صفحہ 361)

تو غیر مقلدین کے ان مستند عالم رئیس ندوی صاحب کی ان باتوں سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سجدوں کا رفع یدین صحیح سند سے مروی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اکثر سجدوں کا رفع یدین کرتے تھے اور کبھی کبھار سجدوں کا رفع یدین ابن عمر رضی اللہ عنہ ترک کرتے تھے۔

اسی کتاب میں آگے جا کے موصوف لکھتے ہیں کہ

"بوقت سجدہ کا رفع یدین جس کو امام بخاری محفوظ کہہ رہے ہیں اسکے بنیادی رواہ میں سے نافع، طاؤس، ایوب سختیانی، مجاھد، عطاء، سالم، عبداللہ بن دینار، قیس بن سعد، حسن بن مسلم، حسن بصری وغیرہ بھی ہیں اور یہ سارے کے سارے حضرات بوقت سجدہ بھی تحریمہ ورکوع کے وقت کی طرح رفع یدین کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اگر بوقت سجدہ رفع یدین والی حدیث محفوظ نہ ہوتی تو یہ اساطین علم و دین ہوتے ہوئے بوقت سجدہ رفع یدین نہ کرتے۔"(رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز۔ صفحہ 370)

علامہ رئیس ندوی کے اس حوالے سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ سمیت یہ تمام تابعین اور اکابرین سجدوں میں بھی تحریمہ اور رکوع کی طرح رفع یدین کرتے تھے اور امام بخاریؒ کے نزدیک سجدوں کے رفع یدین کی حدیث محفوظ ہے۔

اور مولانا ندوی صاحب کے ان حوالوں میں اہم بات یہ ہے کہ غیر مقلدین جو اپنی دلیل میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین کی روایات بخاری اور مسلم سے پیش کرتے ہیں ان کے راوی سالمؒ اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں سجدوں میں رفع یدین کرتے تھے جن کے یہ غیر مقلدین منکر ہیں۔

میرا غیر مقلدین سے سوال ہے کہ وہ سجدوں کے اس رفع یدین کو کیوں نہیں کرتے جو امام بخاریؒ کے نزدیک بھی مستند ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور رفع یدین کی احادیث کے مرکزی راویوں سے ثابت ہے؟

غیر مقلدین کا رفع یدین کو سنت مؤکدہ تسلیم کرنے سے انکار

غیر مقلدین کے عالم سے کسی نے سوال کیا کہ رفع یدین سنت مؤکدہ ہے یا نہیں تو انہوں نے اس کا جواب میں رفع یدین کے سنت ہونے کی دلیل کی بجائے علامہ ابن قیمؒ کے حوالہ سے کہہ دیا کہ رفع یدین کرنے اور نہ کرنے والے پہ کوئی ملامت نہیں یہ سب اقسام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔(فتاوی علمائے اہلحدیث، جلد 3 صفحہ 152، 151)

اگر رفع یدین سنت ہوتا تو غیر مقلد عالم تسلیم کر لیتا کہ رفع یدین سنت ہے لیکن اس کا تسلیم نہ کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ خود غیر مقلدین کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ رفع یدین سنت ہے یا نہیں؟

یہی فتوی محدث فتاوی پہ بھی موجود ہے۔موجودہ غیر مقلدین جو رفع یدین نہ کرنے والے پہ اعتراض کرتے ہیں ان سے گزارش ہے رفع یدین ترک کرنے والوں پہ کوئی ملامت نہیں اور ترک رفع یدین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اس بات کو تو تمہارے اکابر علماء نے تسلیم کر لیا ہے لیکن تم خود پہلے رفع یدین کو سنت تو تسلیم کر لو احناف پہ ترک رفع یدین کا اعتراض بعد میں کرنا۔

http://www.urdufatwa.com/index.php?/Knowledgebase/Article/View/3028/12/

غیر مقلد عالم عبد المنان نورپوری سے کسی نے سوال کیا تھا کہ رفع یدین فرض ہے یا سنت تو جواب دیا گیا کہ

"فرض اور سنت کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آئی"

(قران وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل، جلد 1، ص179)

پس اہلحدیث کے اس فتوی سے ثابت ہوا کہ رفع یدین نہ فرض ہے اور نہ ہی سنت ورنہ جواب دیتے وقت بتا دیا جاتا کہ رفع یدین سنت ہے یا فرض۔۔

سوال یہ ہے کہ اگر فرض اور سنت کی وضاحت کسی حدیث میں نہیں آئی تو پھر غیر مقلدین کو کیا علم کہ نماز میں فرض کون سا ہے اور سنت کون سی؟

اگر رفع یدین نہ فرض ہے اور نہ سنت تو پھر رفع یدین ہے کیا؟ترک رفع یدین والوں پر فتوی لگانے والے غیر مقلدو!پہلے خود تو فیصلہ کر لو کہ نماز میں رفع یدین کی کیا حیثیت ہے؟رفع یدین تمہارے نزدیک سنت ہے یا نہیں؟

یہی فتوی غیر مقلدین کی ویب سائٹ محدث فتاوی پہ بھی موجود ہے۔

غیر مقلد عالم رئیس ندوی کا دعویٰ کہ نماز میں رفع یدین فرض و واجب ہے۔ ہے کوئی غیر مقلد جو رئیس ندوی کے اس دعوے کی دلیل دے؟

غیر مقلد عالم رئیس ندوی کا دعویٰ ہے کہ نماز میں رکوع کو جھکتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرنا فرض و واجب ہے۔۔۔۔نہ کرنیوالے کی نماز باطل ہے۔(مجموعہ مقالات، صفحہ 246)

رئیس ندوی صاحب نے اپنے اس دعوے پہ قران وحدیث سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

جبکہ اپنی دوسری کتاب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سجدوں کا رفع یدین ثابت کر رہے ہیں جس کا حوالہ پہلے پیش کر دیا گیا ہے۔

تو رئیس ندوی صاحب کے حوالوں سے ثابت یہ ہوا کہ اگر رفع یدین فرض ہے تو سجدوں کا رفع یدین بھی فرض ہو گا جس کو خود رئیس ندوی صاحب ثابت کر چکے ہیں؟

جبکہ غیر مقلد عالم عبد الغفار محمدی کے نزدیک نماز کے فرائض، سنن اور مستحبات وغیرہ سب بدعت ہیں"۔

(350 سوالات، صفحہ 125)

تو رئیس ندوی صاحب اپنے ہی عالم عبد الغفار محمدی کے نزدیک رفع یدین کو فرض و واجب کہہ کر بدعتی ہوئے۔

غیر مقلد رئیس ندوی کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہوا کہ رفع یدین فرض ہے۔ آج تک غیر مقلدین خود اس بات پہ متفق نہیں ہو سکے کہ رفع یدین فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے یا مستحب ہے؟

کیا کوئی غیر مقلد اپنے عالم رئیس ندوی کے اس دعوے کی دلیل دے سکتا ہے کہ رفع یدین فرض و واجب ہے؟

اسی طرح غیر مقلدین کے مشہور محدث محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے آمین بالجہر، رفع الیدین، سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ساتھ ساتھ ترک رفع یدین، ناف پر ہاتھ باندھنا اور آہستہ آمین کہنے کے بارے میں کہا ہے کہ یہ سب سنت سے ثابت ہیں اور دونوں طرح جائز ہیں

(درس صحیح بخاری، صفحہ 81)

تو محدث گوندلوی کے حوالے سے ثابت ہوا کہ رفع یدین ترک کرنا بھی سنت ہے۔

اہلحدیث کہلانے والے وہ نام نہاد محققین جو ترک رفع الیدین کی وجہ سے احناف ہر اعتراض کرتے پھرتے ہیں یا ترک رفع یدین کی وجہ سے احناف کی نمازوں کو مکمل نہیں مانتے ان سے گزارش ہے کہ پہلے خود تو فیصلہ کر لیں کہ اہلحدیثوں کے نزدیک رفع یدین کی حیثیت کیا ہے؟ ان کے اپنے علماء ابھی تک نماز میں رفع یدین کی حیثیت جو متعین نہیں کر سکے۔

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

گردن کے مسح کا استحباب، حصاروی صاحب کی زبانی

چھیڑنے کو جی چاہتا ہے

مولانا عبد القادر حصاروی غیر مقلد نے ''مولانا کھنڈیلوی سے خطاب'' عنوان قائم کر کے لکھا:

''مسئلہ مسح گردن

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں ان سے ہم کلام

کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

صحیفہ اہلِ حدیث مطبوعہ یکم و ۵/ ذو الحجہ سنہ: ۷۴ھ میں مسئلہ گردن کے متعلق جناب حضرت مولانا المحترم عبد الجبار صاحب محدث کھنڈیلوی مد ظلہ العالی حال مقیم اوکاڑہ شیخ الحدیث کا ایک مضمون شائع ہوا۔'' (فتاویٰ حصاریہ ۱۹/۳، ناشر: عبد اللطیف ربانی مکتبہ اصحاب الحدیث اردو بازار لاہور)

مسح گردن کو بدعت کہنے کی جسارت کرنے والے

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''جس میں حضرت والا نے حنفیہ کے مسح گردن مروجہ کو بدعت قرار دیا ہے اور آپ اس میں منفرد نہیں۔ دیگر علماء اہلِ حدیث کا بھی یہی خیال ہے۔ چنانچہ جماعت اہلِ حدیث کے مفتی اعظم حضرت فاضل اجل مولانا الحاج حافظ عبد اللہ صاحب محدث روپڑی ادام اللہ فیوضہم و برکاتہم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ آپ نے نماز کے بارے میں ایک کتاب ''کتاب الصلوۃ'' کے نام سے شائع فرمائی ہے، اس کے حصہ اول میں وضو کا بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گردن کا مروجہ مسح بدعت ہے لیکن کمترین خادم العلماء کو اس کے بدعت ہونے میں تامل ہے کیوں کہ اس بارے میں بعض روایات وارد ہیں جو اِس کے بدعت ہونے سے مانع ہیں۔''

(فتاویٰ حصاریہ ۲۰/۳)

گردن کے مسح کا استحباب ملا علی قاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"مولانا الفقیہ رئیس الاحناف حضرت ملا علی قاری موضوعاتِ کبیر ص ۶۳ میں امام نووی پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ مسح گردن کی حدیث کو ابو عبید قاسم نے قاسم بن عبد الرحمن سے روایت کیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے اپنی گردن کا مسح سر کے ہمراہ کیا، وہ گردن میں طوق پڑنے سے محفوظ رہے گا۔ یہ حدیث گو موقوف ہے لیکن حکم مرفوع میں ہے کیوں کہ ایسی بات قیاس سے نہیں کہی جا سکتی اور اس کو اس روایت سے بھی تقویت حاصل ہے جو مسند الفردوس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے اور ضعیف احادیث پر عمل کیا جائے گا کیوں کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاتفاق قابل عمل ہے۔ اسی لیے ہمارے اماموں نے کہا ہے کہ گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے۔"

(فتاویٰ حصاریہ ۳/ ۲۰)

منتقی الاخبار میں گردن کے مسح کا باب

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"ملا علی قاری کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ منتقی الاخبار میں ایک باب منعقد کیا گیا ہے "باب مسح العنق" یعنی یہ باب گردن کے مسح کے بیان میں ہے۔ پھر اس کے تحت وہی حدیث ذِکر کی ہے جو حضرت مولانا نے امام احمد کی روایت سے ذِکر کی ہے **یمسح راسہ حتی بلغ الی القفا وما یلیہ من مقدم العنق**، یعنی سر کا مسح کرتے تو گدی اور اس کے ماحول اور گردن کے شروع تک کرتے۔ اس سے گدی اور گردن کا مسح ظاہر ہے۔" (فتاویٰ حصاریہ ۳/ ۲۰)

گردن کے مسح کو بدعت کہنا بے تکی بات ہے (علامہ شوکانی)

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **وبجمیع هذا تعلم ان قول النووی مسح الرقبۃ بدعۃ وان حدیثہ موضوع مجازفۃ** یعنی ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ امام نووی کا یہ کہنا کہ گردن کا مسح بدعت ہے اور اس بارہ میں جو حدیث وہ موضوع ہے، محض اٹکل اور بے تکی بات ہے۔“

(فتاویٰ حصاریہ ۲۱/۳)

ابن الرفعۃ اور حافظ ابن حجر کا حوالہ

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”پھر علامہ شوکانی نے امام نووی کی اس بات پر بھی بڑا تعجب ظاہر کیا ہے کہ وہ امام شافعی اور اصحاب شافعیہ سے اس مسح کا عدم ذِکر نقل کرتے ہیں۔ حالاں کہ امام روَیانی نے جو اَصحاب شافعی میں سے مشہور ہیں، اپنی کتاب المعروف بالبحر میں لکھا ہے: **قال اصحابنا هو سنۃ** کہ ہمارے اصحاب شافعیہ نے مسح گردن کا سنت قرار دیا ہے۔ پھر امام نووی کا ابن الرفعہ نے بھی تعاقب کیا ہے کہ امام بغوی جو ائمہ حدیث میں سے وہ اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ اور پھر یہ کہا ہے کہ استحباب کا ماخذ حدیث یا کسی صحابی کا قول ہی ہو سکتا ہے قیاس کو تو اس مسئلے میں مجال نہیں ہے۔ پھر علامہ حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ حافظ صاحب نے فرمایا ہے بغوی کی استحباب مسح میں وہی حدیث دلیل ہے جو امام احمد اور ابوداود نے روایت کی ہے جس کو ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں بیہقی کی طرف نسبت کیا ہے اور کہا ہے **وفیہ زیادۃ حسنۃ وهی مسح العنق** یعنی بیہقی کی روایت میں مسح عنق کی زیادتی اچھی ہے۔“

(فتاویٰ حصاریہ ۲۱/۳)

گردن کے مسح کی زیادتی معتبر ہے

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”پھر علامہ شوکانی فرماتے ہیں: **فانظر کیف صرح هذا الحافظ بان هذه الزیادۃ المتضمنۃ لمسح العنق حسنۃ** یعنی (اے مولوی عبد الجبار!) آپ غور کر لیں کہ

حافظ ابن حجر نے کیسے تصریح کی ہے کہ اس روایت میں مسح عنق کی زیادتی اچھی ہے۔" پھر علماء ہادیؒ قاسم گردن کا مسح سر کے بقیہ پانی سے کرنے کے قائل ہیں اور موید باللہ اور منصور باللہ تازہ پانی کے ساتھ مسح کرنے کے قائل ہیں۔"

(فتاویٰ حصاریہ ۲۱/۳)

- قوسین کے الفاظ "اے مولوی عبد الجبار!" بھی فتاویٰ حصاریہ کے ہیں۔

شوکانی کی تحقیق کو روپڑی اور کھنڈیلوی پر ترجیح حاصل ہے

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"یہ امام شوکانی کی تحقیق ہے جو ہر دو فاضلوں (مولانا کھنڈیلوی و حافظ روپڑی) کے خلاف ہے۔ اگر مجمع العلماء میں ہر دو فریق کی تحقیقات پیش کی جائیں تو میرا خیال یہ ہے کہ علامہ شوکانی کی تحقیق کو ترجیح دی جائے گی کیوں کہ علمی پایہ ان کا بہت بلند ہے۔ اور وہ محقق اہلِ حدیث ہیں جن کی قابلیت مسلّم ہے۔ پس مؤلف منتقی و امام بغوی و حافظ ابن حجر و علامہ شوکانی بہ ہمراہ فقہاء حنفیہ و بعض اصحاب شافعیہ مسح گردن کے استحباب کے قائل ہیں لہذا بدعت کا قول مجازفت ہے۔ پس مخاصمت و مجاحفت سے محاذرت فرما کر جرم بدعت سے مجاوزت فرمائیں۔" (فتاویٰ حصاریہ ۲۲/۳)

گردن کے مسح کو بدعت کہنے والے اپنے فتوے پہ نظر ثانی کریں

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"جب مقلدین سے ہماری مجاورت ہے تو مجاملت چاہیے۔ ہمارے علماء محاسبہ میں مجاہدہ کریں گے تو مقلدین محاسفہ سے کام لے کر مجادلہ کریں گے۔ جس سے خوامخواہ کا محاربہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے نظر ثانی فرما کر تحقیقی مکالمہ فرمائیں جس سے مکاشفہ ہو جائے۔" (فتاویٰ حصاریہ ۲۲/۳)

گردن کے مسح کی روایات احادیث صحیحہ کے خلاف نہیں

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اور یہ جو ظاہر کیا گیا ہے کہ روایات احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہیں، قابلِ نظر ہے۔ کیوں کہ کسی صحیح حدیث میں مسح گردن کی نفی وارد نہیں بلکہ وہ ثبوت اور نفی سے ساکت ہیں۔ ساکت اور ناطق میں تعارض نہیں ہوتا، بلکہ ناطق مقدم ہوتا ہے۔ محلی ابن حزم میں ہے **واخذالزیادۃ واجب**۔ (ج۴ ص۹۳) یعنی جس روایت میں کوئی زائد بات مذکور ہو اس کا لینا واجب ہے۔ نیز لکھا ہے **واخذالزیادۃ فرض لایجوز ترکہ لان الزیادۃ حکم قائم بنفسہ رواہ من علمہ ولا یغیرہ سکوت من لم یروہ عن روایتہ کسائر احکام کلھا ولا فرق** یعنی جن روایتوں میں کسی چیز کی زیادتی ہے، ان کا لینا واجب ہے اور ان کا چھوڑنا جائز نہیں ہے کیوں کہ زیادت کا حکم مستقل ہے، جس کو جس نے جان لیا اس نے روایت کر دیا۔ اور جن لوگوں نے سکوت کیا ہے، وہ غیروں کو مضر نہیں ہے جیسے تمام احکام کا یہی حال ہے **کما لا یخفی علی العلماء**۔“

(فتاویٰ حصاریہ ۳/۲۲)

○ تنبیہ: ”**لا یغیرہ** “ کا ترجمہ فتاویٰ حصاریہ میں یوں ہی ”وہ غیروں کو مضر نہیں“ ہے۔ اسے کوئی نقل کی غلطی نہ سمجھے۔

مسح گردن کے استحباب کی روایات

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”مسح گردن کا احادیثِ صحیحہ میں نہیں ہے تو اس عدمِ ذکر سے عدمِ شے لازم نہیں ہے۔ اب دیگر روایات سے ثبوت ہو گیا، تو اس زیادت کو تسلیم کیا جائے گا۔ باقی رہا ان کا ضعاف ہونا، سو وہ استحباب کو مضر نہیں ہے۔ کیوں کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں **کما لا یخفی علی اھل العلم باصول الحدیث**۔ حضرت مولانا المحترم کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرمائیں۔“ (فتاویٰ حصاریہ ۳/۲۳)

مسح گردن میں کیفیت کا غیر منصوص ہونا، مضر نہیں

حصاروی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”باقی رہا یہ امر کہ ہیئت مروجہ بدعت ہے، سو عرض ہے کہ مسح گردن کا جب مستحب ہوا تو اس کے کرنے کی کیفیت منصوص نہیں ہے۔ جس طرح کوئی کرلے مسح کا اطلاق اس پر صحیح ہو گا۔ ظاہر کفین سے مسح اس لیے کیا جاتا ہے کہ باطن کفین پر تری ختم ہو جاتی ہے اور ظاہر کفین پر پانی کی تری موجود ہوتی ہے۔ اس لیے ظاہر کفین سے مسح کر لیا جاتا ہے، جس میں کوئی قباحت نہیں آتی۔ ہاں بندہ نے خود کبھی مسح گردن کا نہیں کیا۔ البتہ کرنے والوں کو منع کرنے اور بدعت کہنے سے پرہیز ہے۔ **هذا ما عندی والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب**۔ عبد القادر حصاروی۔“

(فتاویٰ حصاریہ ۳/۲۳)

- **تنبیہ:** حصاروی صاحب کا یہ فتویٰ پہلے صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ۳۶ شمارہ: ۱ مورخہ یکم محرم الحرام سنہ: ۱۳۷۵ھ میں شائع ہوا ہے۔ (فتاویٰ حصاریہ ۳/۲۳)
- **تنبیہ:** اس مضمون میں عنوانات میری طرف سے ہیں۔

محترم عدنان فاروقی صاحب حفظہ اللہ قسط:۱

القول المبین فی رد الحق المبین المعروف الحق المبین کے دفاع کا رد بلیغ

قارئین کچھ عرصہ قبل ہم نے فرقہ اہل بدعت کے غزالی زمان کی کتاب الحق المبین کا سرسری جائزہ لیا تھا اور اس کا نام [الحق المبین پر ایک نظر] رکھا تھا۔اس کے جواب میں فریق مخالف کے انجینئر آگے آئے اور جواب کے نام پہ مزید رسوائی کا سامان پیدا کر دیا۔ چنانچہ ہم اس جواب بلکہ ناکام دفاع کا رد بلیغ پیش کیے دیتے ہیں۔

مؤلف لکھتا ہے:

”قارئین کرام برصغیر پاک و ہند میں اپنی حکومت کو قائم کرنے کے لیے انگریز نے (divideandrule) کے اصول پہ عمل کیا۔ انگریز پادریوں نے ہندوستان میں آکر ایک رپورٹ تیار کی جس میں ایک ایسا آدمی تلاش کرنے پر زور دیا گیا جو اپنے ظلی نبی ہونے کا اعلان کر سکے۔(پیش لفظ بیس بڑے مسلمان از خالد محمود دیوبندی ص 6) مگر کسی قسم کے دعویٰ سے قبل ایسا ساز گار ماحول پیدا کیا گیا جس سے انہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں آسانی ہو سکتی۔ چنانچہ سب سے پہلے انگریز کے ایماء پر اسماعیل دہلوی نامی بندے نے ایک کتاب ”تقویۃ الایمان“ لکھی جس نے ہندوستان کے اندر تہلکہ مچا دیا اور مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا“

(الحق المبین کی حقانیت ص 5)

الجواب:

جناب نے یہی بات اپنی کتاب ”دست و گریباں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ“ میں لکھی ہیں اور وہی سے نقل کیا ہے تفصیلی جواب کی تو حاجت نہیں اس لئے اس کا جواب ماضی قریب میں احتشام انجم شامی صاحب نے موصوف کے مذکورہ کتاب کی جواب میں ”دست و گریباں کی حقانیت“ کے نام سے دیا ہے اور موصوف نے جواب پڑھا بھی ہے۔ مناسب تو یہی تھا جواب الجواب لکھا جاتا لیکن دوبارہ وہیا عتراضات دہرانے والی حرکت کی ہے۔ ایسی حرکت پر مولوی حسن علی رضوی صاحب لکھتے ہیں:

”دوسرے کی سنے بغیر اپنی کہے جاؤ یہ لوگ ہٹلر اور گوبلر کے فارمولے پر عمل پیرا ہیں کہ الزامات کا اس تسلسل سے اعادہ کرو کہ لوگ سچ سمجھنے لگیں“

(محاسبہ دیوبندیت جلد 1 ص 26 بحوالہ دست و گریباں کی حقانیت ص 101)

نیز لکھتے ہیں:

"مطالعہ بریلویت کے مرتب کا یہ حق نہیں تھا کہ جس اعتراض و الزام کا جواب ہم دے چکے ہیں اور کو دوبارہ سہ بارہ نقل کرتا۔ اس کا مقصد اس کو سوا اور کیا ہو سکتا ہیں کہ یہ یا تو ہمارے جوابی مضمون کو پڑھتا ہی نہیں یا پھر دیدہ دانستہ مغالطہ دینا یا الٹا چکر چلانا اور لوگوں کو گمراہی کرنا ہی ان کا نصب العین ہے" (ایضا)

ہم بھی یہی کہیں گے کہ مؤلف یا تو ہمارے مضمون پڑھتا ہی نہیں یا دیدہ دانستہ عوام کو مغالطہ دیتا ہے۔

تفصیلی جواب کے لیے احتشام انجم صاحب کی کتاب "دست و گریباں کی حقانیت" کی طرف رجوع کریں جو ماضی قریب میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

پھر موصوف لکھتے ہیں:

"ایسی گستاخیوں کی بدولت مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی نبوت کر دیا" (الحق المبین کی حقانیت ص 5)

الجواب:

مؤلف ایک صفحہ بعد لکھتا ہے:

'موصوف کی یہ بات کسی حوالے کے محض ذاتی تخیل ہے جو کسی قسم کی ٹھوس دلیل سے محروم ہے"

(الحق المبین کی حقانیت جلد ا ص 7)

یہی جواب ہماری طرف سے ہیں کہ یہ بات بھی کسی قسم کی ٹھوس دلیل سے محروم ہیں۔

لکھتے ہیں:

"انہیں گستاخانہ عبارات و دیگر اختلافات سے عامۃ الناس کو روشناس کرانے کے لئے مختلف کتب ترتیب دی گئیں جن میں سے ایک الحق المبین تھی جسے حضرت علامہ غزالی زماں حضور احمد سعید کاظمی صاحب کی تالیف ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آج تک دیوبندی حضرات اس کتاب کا جواب دینے سے قاصر تھے، حال ہی میں ایک غیر

معروف شخص کی جانب سے اس کا جواب دینے کی سعی ناکام کی گئی ہے، موصوف کا جواب اپنے اکابر کی پرانی تاویلات اور دفاع اہل السنۃ سے ماخوذ ہے"(ص6)

الجواب: سچ ہے ع

دروغ گورا حافظہ نباشد

قارئین یوں محسوس ہوتا ہے کہ موصوف کتاب لکھتے وقت بھنگ کے نشے میں تھے اس لیے جو آیا لکھ دیا یہ بھی نہ دیکھا کہ لکھ کیا رہا ہوں۔

چنانچہ اول لکھتا ہے کہ "آج تک دیوبندی حضرات اس کتاب کا جواب دینے سے قاصر تھے" پھر ایک سطر بعد لکھتا ہے "موصوف کا جواب اپنے اکابر کی پرانی تاویلات اور دفاع اہل السنۃ سے ماخوذ ہے"

دونوں قول میں تضاد ہیں۔ اول میں کہتا ہے جواب نہیں دیا ثانی میں کہتا ہے اکابر کی پرانی تاویلات سے ماخوذ ہے۔ مطلب ہمارے اکابر نے جواب دیا ہے تبھی تو ان کی طرف مراجعت کی جواب نہ دیتے تو ماخوذ چہ معنی دارد۔

ایسی تضاد بیانی کے متعلق مولوی غلام نصیر الدین سیالوی لکھتے ہیں:

"متضاد ہونا تو وہابیت کی جان ہے"

(عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص217 مطبوعہ جہلم)

اور وہابی کے متعلق مؤلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔

(ملاحظہ ہو فتاوی فیض الرسول ص261 طبع لاہور، تجانب اہل السنہ)

مؤلف اپنی دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں:

"قارئین کرام ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اعلی حضرت نے اپنے گناہ اور گستاخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دیوبندی حضرات کی تکفیر کی جبکہ دوسرے صاحب کہتا ہیں کہ انگریز کے ایما پر تکفیر کی. یہ متضاد باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ صرف الزام تراشی ہے اور کچھ نہیں"(کنز الایمان اور مخالفین ص201)

راہ فرار

ہم نے اپنی کتاب میں یہ لکھا تھا کہ مولوی احمد رضا صاحب نے اہل حق کو بدنام کرنے کے لئے ان کی عبارات میں خیانت کی اور عبارات کو کانٹ چھانٹ کر پیش کیا مؤلف نے تو اس کا جواب نہیں دیا البتہ ایک نئی بحث چھیڑ کر گلو خلاصی کی کوشش کی ہے، لکھتا ہے کہ:

”ہم اس سلسلہ میں اپنی کتب میں اس بات کی وضاحت مکمل شرح وبسط سے کر چکے ہیں کہ اعلی حضرت نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی، اگر ایسا ہوتا تو خود آپ سے پہلے کہ حضرات علماء دیوبند کی تکفیر کا فریضہ سرانجام نہ دیتے۔ لہذا جب اعلی حضرت سے پہلے ہی تکفیر موجود ہے تو صرف اعلی حضرت پہ ہی خیانت کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے“

(ص8)

الجواب:

ہم نے خیانت پر بحث کی ہیں لیکن مؤلف نے اس کو چھوڑ کر تکفیر کا مسئلہ اٹھایا یہ الگ بحث ہیں کہ تکفیر ہوئی تھی یا نہیں، اختلاف ہوا تھا یا نہیں۔ یہاں محل بحث یہ نہیں۔ لہذا زیادہ چالاک بننے کے بجائے اس کا جواب دیا جائے۔

ارشد مسعود لکھتے ہیں:

”دیوبندیوں کی یہ عادت بد رہی ہے کہ وہ ہمیشہ جھوٹے پروپیگنڈے سے کام لیتے ہیں اصولی طور پر بحث کرنے سے ہمیشہ راہ فرار اختیار کرتے ہیں“ (کشف القناع جلد 3 ص360)

مؤلف بقول مصنف کشف القناع اصل بحث سے راہ فرار اختیار کر کے نئی بحث شروع کی ہے۔

خان صاحب کی خیانت پر بین دلیل

خان صاحب نے تحذیر الناس کے مختلف صفحات سے تین عبارات لے کر ایک کفریہ مضمون بنایا اسی کو ہم خیانت کہتے ہیں۔

چنانچہ عبد المجید خان سعیدی لکھتے ہیں:

”گکھڑوی صاحب کو جب اپنی بات بنتی نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنا الو سیدھا کرنے کی غرض سے حدیث کا

درمیان والا حصہ اڑا کر اس کے آخری حصہ کو پہلے حصہ سے ملا دیا جس سے عام قاری کو دھوکہ لگتا ہے کہ یہ بھی شاید ان پہلے حصہ کا جز ہے"(مصباح سنت ص 33 طبع کراچی)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ خان صاحب نے تحذیر الناس سے تین عبارات لے کر ایک عبارت بنائی جس سے علماء حرمین کو دھوکہ دیا اور ان سے فتوے لیے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ اعلی حضرت سے پہلے ہی تکفیر موجود ہے جبکہ حسام الحرمین میں خان صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ:

"امر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان کے کئی شہروں میں اعتقادی فتنے برپا ہیں صرف ایک تنہا شخص عالم اہلسنت وجماعت اپنی جان کی بازی لگا کر ان فتنہ گروں کا مقابلہ کر رہا ہے اس نے اپنی زندگی کو ان فتنہ پردازوں کے مقابلہ میں وقف کر دیا ہے"

(حسام الحرمین ص 13 طبع لاہور)

لہذا یہ متضاد ہیں اور بقول مؤلف ایسی تضاد محض الزام تراشی ہے۔

نعیم اللہ خان قادری لکھتے ہیں:

"علمائے دیوبند کی تحریر میں تضاد بیانی کا وافر حصہ آخر کیوں ہے؟ میرے خیال میں وہ اس لیے ہے کہ ان لوگوں کا کوئی مستحکم عقیدہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی موقف ہے"

(دیوبندیوں سے لاجواب سوالات ص 37)

تو لیجیے موصوف کے گھر سے ثابت ہوا کہ جناب کا اختیار کردہ موقف خود نہ صرف لچر بلکہ کمزور اور ریت کا ایسا گھروندہ ہے جس پہ کھڑی عمارت کسی بھی وقت دیوبندی دلائل کی ہلکی ہوا سے زمیں بوس ہو جائے۔

نیز دیوبندیوں پر افترا باندھتے ہوئے ارشد مسعود لکھتے ہیں:

"الغرض حضرت مولانا محمد کاشف اقبال مدنی صاحب نے بالکل بجا تجزیہ فرمایا کہ اس معاملے میں دیوبندی منافقانہ روش اور دوغلی پالیسی کے شکار ہے۔ ان کے دو منہ دو زبانیں اور دو چہرے ہیں"

(کشف القناع جلد 3 ص 389)

معاف کیجئے گا نہ تو دیوبندیوں کی کوئی منافقانہ روش ہے اور نہ ہی کوئی دوغلی پالیسی نہ ہی دومنہ اور دوزبانیں. ہاں ہو سکتا ہے موصوف کے مسلک میں یہ عادت بد موجود ہو جس کی وجہ سے دوسروں کو الزام دے رہا ہے۔

بہر حال مؤلف نے اس نئی بحث پر کئی حوالہ جات پیش کیے ہیں جن میں چند ان کے اپنے مدعی کے خلاف ہیں۔ جیسے (سوانح قاسمی، ندائے دار العلوم، ملفوظات حکیم الامت و افاضات الیومیہ، قصص الاکابر،) ان میں کہی بھی تکفیر کا ذکر نہیں اور مؤلف کا دعوی ہے کہ تکفیر کی گئی تھی لہذا یہ خارج مبحث ہیں۔ رہی ان حوالہ جات کا جن میں کفر کا ذکر ہیں ان میں ایک حوالہ ارواح ثلاثہ کا ہے۔

اولاً: سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تکفیر اہل بدعت کی جانب سے ہو رہی تھی۔

ثانیاً: اگر تسلیم کیا جائے کہ یہ تکفیر اعلی حضرت سے پہلے کی ہے تو واضح نہیں کس نے تکفیر کی ہے اور کونسی تکفیر کی ہے لزومی یا التزامی اس لئے احتمال ہیں۔ مولوی محمد صدیق لکھتے ہیں:

"اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"

(افتخار اہلسنت ص 130)

نیز غلام نصیر الدین نے بھی یہی قاعدہ لکھا ہے۔ (عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص 393)

قاسم العلوم اور تنویر النبراس کا حوالہ دیا ہیں ان میں بھی صراحت نہیں تکفیر کونسی ہیں مذکورہ قاعدہ کے رو سے یہ بھی باطل ہیں۔

رسالہ ابطال قاسمیہ کا حوالہ دیا ہے بحوالہ مطالعہ بریلویت جس میں لزوم کفر کا ذکر ہے اور مؤلف کا مسلک یہ ہے کہ لزوم کفر پر تکفیر نہیں کی جاتی۔

(ملاحظہ ہو حسام الحرمین اور مخالفین ص 178، 179، فتاوی مہریہ ص 82)

ارشد مسعود لکھتے ہیں:

"یہ دیوبندی موصوف کا اپنا ذاتی اختراع ہے ورنہ مذکورہ عبارت میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تمام متقدمین علماء و فقہاء و محدثین پر سیدی اعلی حضرت رح کو ترجیح دے تو ان کا سچا عاشق ہے وگر نہ جھوٹا عاشق ہے یہ موصوف کی اپنی کشید کاری ہے"

(کشف القناع جلد 3 ص 266)

مذکورہ حوالہ جات جو تکفیر نانوتویؒ پر مؤلف نے پیش کیا ہیں ان میں بھی ایسی کوئی بات موجود نہیں کہ تکفیر لزوم کفر پر کی ہے یا التزام کفر۔

آگے مؤلف نے چند کتب کے حوالہ جات پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا بیان کردہ معنی ان کی اپنی اصطلاح ہے سابقہ مفسرین کی تائید سے محروم ہے۔ نیز قادیانی کتب کے حوالے دیئے کہ وہ ختم نبوت مرتبی مانتے ہیں ۔پھر متین خالد کے حوالے سے یہ کہا کہ قادیانی خاتم بمعنی افضل لیتے ہیں اور خاتم النبیین بمعنی نبیوں میں افضل جو کہ ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ لہذا متین خالد کی روسے نانوتوی اور ان کے وکیل جاہل ہوئے۔ معاذ اللہ (ملخصاً 11،12،13)

الجواب:

مؤلف کو ان حوالہ جات سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لئے یہ اصول جناب کے ہاں مسلم ہے کہ اصطلاحات ہر ایک کی اپنی ہوتی ہیں ،پھر اگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ختم نبوت کا ایک معنی ختم نبوت مرتبی بھی کیا ہے تو اس پہ بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ آپؒ ختم نبوت زمانی کے معنی کو تسلیم کرتے ہوئے ختم نبوت مرتبی کا اثبات کرتے ہیں۔ رہی بات قادیانیوں کی تو وہ فقط ختم نبوت مرتبی کو مانتے ہیں زمانی کا منکر ہیں اور حضرت نانوتویؒ مرتبی اور زمانی دونوں کے قائل ہے۔ لہذا نہ تو نانوتوی رحمہ اللہ کا عقیدہ کفریہ ہے نہ ہی متین خالد صاحب کا فتویٰ ان پر یا ان کے وکلا پر لگتا ہے۔ ختم نبوت زمانی کا اثبات اور حضرت نانوتویؒ کے عقیدہ بریلوی اصول سے ہی کچھ عرصہ پہلے شائع شدہ کتاب "دست و گریبان کی حقانیت جلد اول" کے مقدمہ میں کیا جا چکا ہے جسے مؤلف نظر انداز کر کے دوبارہ وہی حرکت کی ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں اپنی کتاب کا مذکورہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ:

> "مگر مضمون نگار نے ان جوابات پہ کچھ نقیض وارد کرنے کے بجائے ایک بار پھر مرغی کی ایک ٹانگ کی طرح وہی گھسے پٹے اعتراضات کر دیے۔ (رد اعتراضات المخبث ص9)

اور ابو عبد اللہ لکھتے ہیں:

> "وہی گھسے پٹے اعتراضات جن کے بار بار اہل سنت و جماعت جوابات دے چکے ہیں لیکن ان لوگوں کا اصول ہے کہ آدمی کو ڈھیٹ اور بے شرم ہونا چاہیے۔ (ہدیہ بریلویت پر ایک نظر ص18)

نیز اسی حرکت کو اگلے نوالے چبانے سے تعبیر کرتے ہیں. (ایضا ص31)

بقول ابو عبد اللہ آنجناب ڈھیٹ اور بے شرم ہے جو دوبارہ وہی اعتراض نقل کیا ہے۔ (جاری)

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ قسط:۲

اکابر کا باغی کون؟

بعض حضرات کے سامنے جب عقائد و نظریات پر اکابر کے اقوال یا تحریرات کا مطالبہ کیا جاتا ہے یا ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو جٹ سے کہتے ہیں کہ یہ اکابر پرستی ہے۔ رئیس المناظرین امین ملت حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رح کو ایک مماتی نے کہا کہ آپ رحمت اللہ (اکابر) کو مانتے ہیں اور ہم کلام اللہ کو، تو رئیس المناظرین نے اپنی عادت کے موافق تھوڑا ہنس کے فرمایا کہ

"یہ رحمت اللہ کلام اللہ کے مخالف نہیں البتہ عنایت اللہ اور غلام اللہ کے خلاف ہیں۔ ہم اکابرین کو صراط اللذین انعمت علیھم کے مصداق مانتے ہیں۔"

امام ابن عبد البر المالکی رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں ایک باب باندھا ہے۔ **باب حال العلم اذا کان عند الفساق والارذال** اس میں درجہ ذیل حدیث لائے ہیں

حدثنا عبد الرحمن بن یحی، حدثنا احمد بن سعید، حدثنا اسحاق بن ابراھیم، حدثنا محمد بن علی بن مروان، حدثنا محمد بن مکی، قال اخبرنا ابن المبارک، عن خالد الخذاء، عن عکرمة، عن ابن عباس، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: البرکة مع اکابرکم (جامع بیان العلم وفضلہ 208، المستدرک 62/1، ابن حبان 559، حلیة الاولیاء 172/8 من طریق ابن المبارک وھو صحیح)

حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے کہ برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہیں۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کی روایت ابن عبد البر رحمہ اللہ لائے ہیں کہ

الا ان الناس لن یزالوا بخیر ما اتاھم العلم عن اکابرھم (ایضا 208)

ترجمہ: "یہ بات یاد رکھو کہ جب تک علم اکابر سے نقل ہو کر آتا رہے گا لوگ خیر یعنی ہدایت پر رہیں گے۔

خیر پچھلے شمارے میں بندہ عاجز نے ثابت کیا تھا کہ مماتی اکابر کے باغی ہیں۔ اس مضمون میں مزید چند حوالجات ملاحظہ کریں۔

1) حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا نام اپنے پرایے سب جانتے ہیں اور حضرت کے علمی خدمات اور تصنیفات سے چار دانگ عالم مستفید ہوتے ہیں۔ایک روایت کے مطابق حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے 14 سو کتب تحریر فرمائے ہیں۔میرے شیخ و مرشد شیخ سجاد الحجابی صاحب نے ایک دفعہ کلاس میں ارشاد فرمایا کہ اکابر دیوبند اور خصوصاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور نانوتوی رحمہ اللہ کے علوم اور کتب اگر معرب ہوجائے تو عرب انگشت بدندان ہوں گے،ان حضرات کے علمی اور تصنیفی میدان سے۔لیکن مماتی شومئ قسمت سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے نالاں ہیں۔چنانچہ مماتیوں کے وکیل سجاد بخاری صاحب اقامۃ البرہان میں لکھتے ہیں کہ

" اور پھر خاص طور پر پہلے انہیں (مفتی عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ ۔۔۔راقم)اپنے گھر کی خبر لینی چاہئے تھی۔ان کا فرض تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ان کتب کی اصلاح و تطہیر فرماتے جن میں ایسا مواد موجود ہے مثلاً ضعیف،شاذ،منکر بلکہ موضوع حدیثیں بلا انکار و تنبیہ،بے سروپا حکایتیں بے سند اور گمراہ کرامتیں وغیرہ جن کو اہل بدعت اپنے عقاید زایعہ اور اپنی بدعات مخترعہ کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے تبلیغ توحید کے مشن کو بعض اوقات کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے حالانکہ موضوع حدیثوں سے استدلال تو درکنار ان کو تو ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

(اقامۃ البرہان 24 سجاد بخاری کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی)

تبصرہ: سجاد بخاری صاحب کے عبارت سے درجہ ذیل باتیں ثابت ہوئی۔

1)حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب میں بے سروپا باتیں اور حکایات موجود ہیں۔

2)حضرت کی کتابوں میں ضعیف،شاذ منکر بلکہ موضوعی احادیث موجود ہیں۔

3)حضرت رحمہ اللہ کی عبارات اہل بدعت اپنے عقائد کے لیے بطور تائید پیش کرتے ہیں۔

4)حضرت کی کتب وعبارات تبلیغ توحید کی مشن میں کافی نقصان دہ ہیں۔

اب مماتی بتائیں کہ اکابر کے باغی کون ہیں؟

نوٹ: آئندہ کے لیے مماتی جسد مثالی اور قبر سے مراد عالم برزخ ہے اور حیات برزخی کے لیے اشرف الجواب

اور حضرت رحمہ اللہ کے دیگر کتب کو ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ بقول سجاد بخاری ان میں خرافات ہیں جو آپ کے خود ساختہ اور مزعومہ توحید و تبلیغ کے لیے نقصان دہ ہیں۔

2) حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنے تو اپنے مخالفین بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے علم کے مقر ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"جو شخص مجھ سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو کمالات ظاہر و باطنی کے جامع ہیں میری جگہ بلکہ مجھ سے بلند مرتبہ سمجھے۔ اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں۔ اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ ان کے ایسے لوگ اس زمانے میں نہیں پایے جاتے ہیں اور ان کی بابرکت خدمت سے فیض حاصل کریں اور سلوک کے طریقے ان کے سامنے حاصل کریں ان شاءاللہ بے بہرہ نہ رہے گا۔ خدا ان کی عمر میں برکت دے اور معرفت کی تمام نعمتوں اور اپنی قربت کے کمالات سے مشرف فرمایے اور بلند رتبوں تک پہنچایے اور ان کے نور ہدایت سے دنیا کو روشن کرے اور حضور ﷺ کے صدقے میں قیامت تک ان کا فیض جاری رکھیں۔

(کلیات امدادیہ 72/73)

لیکن بد قسمتی سے مماتیوں کے وکیل اعظم محمد حسین نیلوی صاحب حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

" پھر اب یہ سمجھائیں کہ حضرت نانوتویؒ آیا اسی متعارف معنی کی روسے موت نبی کے قائل ہیں یا موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ (نداء حق 1/575)

تبصرہ: اس عبارت میں نیلوی صاحب استتار حیات والے معنی کو تسلیم نہیں کرتے جو حضرت نانوتوی رح نے تحریر کیے ہیں، بلکہ اس کو انکار موت قرار دے رہیں۔ دوسری جگہ صاف لکھتے ہیں کہ

" حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح جمال قاسمی 15 صفحہ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا اخراج نہیں ہوتا۔ کیا یہ صریح نص اور احادیث متواترہ اور اجماع کے خلاف نہیں۔

(تفسیر بے نظیر حاشیہ بدر منیر 159 ادارہ گلستان اسلام سرگودہا سٹاکسٹ اشاعت اکیڈمی پشاور)

لہذا مماتیوں کے وکیل مطلق کے نزدیک حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نبیؐ کی موت کے منکر ہوئے۔اب سوال یہ ہے کہ منکرین حیات کے اس نظریہ کے مطابق حضرت نانوتوی رحمہ اللہ مسلمان رہے یا نہیں؟(معاذ اللہ) جبکہ نبی کریم کی وقوع موت کا انکار کفر ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ کے مرکز پنج پیر سے جو سند حدیث دیا جاتا ہے اس میں مرکزی راوی قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا اسم گرامی موجود ہے تو کیا سند میں جب بدعی راوی آجائے تو وہ روایت قبول ہو جاتا ہے نہیں ہر گز نہیں تو جب آپ کے سند میں معاذ اللہ ایک کافر اور منکر قرآن موجود ہے تو آپ کے روایات اور اسناد تو سارے مردود و نامقبول ہوئے۔ تو اتصال سند کس طرح آپ کرتے ہیں۔

نوٹ: بعض حضرات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے موت کے معنی ستر الحیات کو حضرت کا تفرد کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ نے آب حیات میں موت نبویؐ کا انکار کیا ہے جیسا کہ نیلوی شاہ صاحب کا حوالہ اوپر گزرا۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ کیا لکھتے ہیں ملاحظہ کریں۔

"یہ کہنا کہ آب حیات میں حضرت اقدس نے موت نبویؐ کا انکار کر دیا ہے افتراء اور فتنہ پردازی ہے۔ حضرت رح نے صراحت کے ساتھ "انک میت وانہم میتون" کے تحت موت نبویؐ کا اثبات کرتے ہوئے حیات نبوی پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت اقدس معاذ اللہ نہ موت کے منکر ہیں جو منصوص ہے، نہ حیات بعد الموت کے منکر ہیں جو منصوص ہے، بلکہ بلا کسی شایبہ تفرد کے اس بارہ میں پوری امت کے ساتھ ہیں۔ کہ آپؐ پر موت طاری ہوئی اور موت کے بعد برزخ میں آپؐ کو حیات بھی عطا ہوئی جو جسمانی اور دنیوی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ کا جو کچھ بھی کلام ہے وہ اس موت اور حیات بعد الموت کی کیفیت میں ہے کہ اس کے طاری ہونے کی نوعیت کیا تھی۔ جو فن حقائق کا مسئلہ ہے نہ کہ فن عقائد کا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح آپؐ کی ناسوتی حیات عام انسانوں جیسی حیات نہ تھی اسی طرح آپ کی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی موت اور حیات بعد الموت بھی عام انسانوں کی موت اور حیات بعد الموت کی طرح نہیں_ آپؐ پر موت طاری ہونے سے زوال حیات یا انقطاع حیات کلیۃ نہیں ہوا بلکہ حیات سمٹ گئی اور آثار حیات حسی طور پر منقطع ہوگئے۔ برزخ میں وہی سمٹی ہوئی حیات بدستور سابق پھر بدن مبارک میں پھیلا دی گئی۔ اس دعوی کا تعلق نہ در حقیقت موت کے طریان سے ہے نہ بعد الموت حیات کے سریان سے جو عقیدہ ہے بلکہ ان دونوں کی کیفیت اور صورت تکون سے ہے اس لیے اسے تفرد کہنا تحکم ہے، تفرد بمقابلہ عقیدہ ہوتا ہے، مسلمہ عقیدہ کو مان کر اس کی باطنی حقیقت بیان کرنے سے نہیں ہوتا بالخصوص جبکہ

اس خاص کیفیت ممات وحیات کے بارہ میں سلف کے ارشادات بھی موجود ہیں تو بیان کیفیت میں بھی تفرد نہیں ہوتا۔

(حضرت نانوتوی رح کی آب حیات 661 در ضمن مجموعہ رسائل حکیم الاسلام جلد 3)

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے بیان کے موافق حضرت نانوتوی رحمہ اللہ موت کے منکر نہیں۔ جبکہ مماتی وکیل کے بیان کے مطابق حضرت رحمہ اللہ موت نبی کے منکر ہے۔ اب بتائیں کہ اکابر کا باغی کون اور بانی دیوبند اور چالیس سالہ مہتمم دیوبند کا باغی کون؟ (جاری)